ماہنامہ
مئی 2025ء
طلوعِ اسلام
لاہور
اشاعت کا اکیاسی واں سال

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ (الحدیث)

حضرت محمد ﷺ کے بعد نبوت کا ہر دعویٰ باطل ہے



علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر 1938ء سے شائع ہونے والا ماہنامہ



پروفیسر ڈاکٹر زاہدہ درانی صاحبہ بھرپور زندگی گزار کر 05 اپریل 2025ء کی صبح اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملیں

نمازِ جنازہ جامعہ اشرفیہ لاہور میں بڑے اہتمام سے ادا کیا گیا۔ جنازہ سے قبل جامعہ کے شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف خان صاحب نے جس والہانہ پن سے ڈاکٹر میڈم اور اُن کی خدمات کا تفصیلی تعارف کروایا تو اُس سے بخوبی اندازہ ہو رہا تھا کہ جامعہ کے سربراہ مولانا فضلِ رحیم اشرفی اور وہ خود ڈاکٹر میڈم سے حد درجہ عقیدت رکھتے ہیں۔



طلوعِ اسلام ٹرسٹ کی وہ بانی رکن تھیں اور بانی ایگزیکٹو ہیڈ بھی۔ ٹرسٹ کے ہر اہم معاملہ میں مشاورت کرتیں اور اکثر سب سے پہلے مجھ ناچیز سے۔ تمام ٹرسٹیز سے بہت احترام کا تعلق رکھا۔ صلح جوئی اور باہمی تعاون ہر فیصلہ میں پیشِ نظر ہوتا۔ میٹنگ کی بھرپور تیاری کرنا اُن کا شعار تھا۔ وہ اپنے کلینک سے رات گیارہ بجے کے بعد ہی فارغ ہو پاتیں مگر جب ٹرسٹ کے معاملات پر ڈسکس کرنا ہوتا تو ان میں تھکاوٹ یا جلدی کا کبھی بھی شائبہ نہ ہوتا۔ ہمیشہ فکر ہوتی تو میری کہ اتنی دیر تک مجھے انتظار کروایا۔

محمد عمر دراز مرحوم اور عطاء الرحمٰن ارائیں مرحوم پر بے پناہ اعتماد تھا۔ ہر اہم فیصلہ پر اُن کی رائے کو بڑی ہی اہمیت دیتیں۔ انکساری اور محبت سے اکثر فرمایا کرتیں کہ شیخ اللہ دتا، ارائیں فیملی اور محمد عمر دراز ہی نے ٹرسٹ کی بنیادیں مضبوط کیں ورنہ میرا تو صرف نام ہی تھا۔

عمر کے آخری دور میں اُن کی خواہش تھی کہ محترم عبید الرحمٰن ارائیں یا محترم جعفر حسین ٹرسٹ کے انتظامی امور سنبھال لیں۔ دونوں نے آمنا وصدقنا کہا۔ ڈاکٹر اعجاز رسول صاحب کے آن لائن لیکچرز اور انگریزی تراجم سے اُن کو بہت تقویت ملتی تھی۔

چند ماہ قبل محترمہ انجم زبیر کے ہمراہ تشریف لائیں۔ ٹرسٹ بلڈنگ میں جاری تعمیر و مرمت کا کام دیکھ کر بہت خوش ہوئیں۔ جس طرح ڈاکٹر زاہدہ درانی صاحبہ کی زندگی اور شخصیت کمال کی تھی، بالکل اُسی طرح محترمہ انجم زبیر اور فیملی نے اپنے آپ کو ڈاکٹر صاحبہ کی محبت اور خدمت میں وقف کر دیا۔ محترم اکرم زبیر فیملی کا محور و مرکز صرف ڈاکٹر صاحبہ تھیں۔

میں اکثر سوچتا ہوں کہ میرے اندر اگر کوئی خوبی، خلوص اور انسان دوستی کی رمق ہے تو اللہ کریم کی توفیق اور والدین کی دعاوں کے بعد اُس کی بنیاد پر وفیسر ڈاکٹر زاہدہ درانی کی عنایت اور تربیت نے رکھی ہے۔ علامہ اقبال کا یہ شعر، اِس سلسلہ میں، میرے جذبات کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔

اگر سیاہ دِلم، داغِ لالہ زارِ تُو اَم
وگر کُشادہ جبینم، گُلِ بہارِ تُو اَم

(حسین قیصرانی)

ماہنامہ
طلوعِ اسلام
لاہور
مئی 2025ء

جلد 78 | شمارہ نمبر 05

اس شمارے میں

عنوان	مصنف	صفحہ نمبر
لمعات: ایٹمی دھماکہ کافی نہیں قرآنی نظام کے نفاذ کی طرف بھی قدم بڑھایئے	ادارہ	4
پروفیسر ڈاکٹر زاہدہ درانی ـــــ طلوعِ اسلام کا روشن ترین مینار	عبیدالرحمٰن ارائیں	9
پروفیسر ڈاکٹر زاہدہ خانم درانی	حسین قیصرانی، لاہور	11
آہ، ایک اور شمعِ قرآنی بجھ گئی	ادارہ	13
پرویز صاحب سے ایک ملاقات جو زندگی بدل گئی	تلخیص وتحریر: حسین قیصرانی، لاہور	17
دولت کی پیدا کردہ بیماریاں	ڈاکٹر زاہدہ درانی، لاہور	19
بادۂ زندگی (روئیدادِ طلوعِ اسلام کی پہلی کنونشن، دسمبر 1958ء)	علامہ غلام احمد پرویز علیہ الرحمۃ	21
کیا قائداعظم پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنانا چاہتے تھے؟ (گذشتہ سے پیوستہ)	علامہ غلام احمد پرویز علیہ الرحمۃ	50
یکم مئی (قرآنِ کریم کی رُو سے ہر انسان محنت کش ہے)	سید حیات النبی رضوی، کراچی	59

چیئرمین: خورشید انور

مجلسِ ادارت
ڈاکٹر انعام الحق، ڈاکٹر اعجاز رسول
اقبال ادریس ایڈووکیٹ

مدیر انتظامی: محمد سلیم اختر

قانونی مشیر: ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ

ادارہ کا مضمون نگار کی تحریر سے کُلّی اتفاق ضروری نہیں۔

زرِتعاون: 50 روپے فی پرچہ
پاکستان: 600 روپے سالانہ
رجسٹرڈ ڈاک: 1000 روپے سالانہ

ادارہ طلوعِ اسلام B-25 گلبرگ 2، لاہور 54660، (پاکستان)
Phone: 042-35714546
Cell: +92 310-4800818
Cell: +92 318 2221851
idarati@gmail.com www.facebook.com/Talueislam

Bank Account Idara Tolu-e-Islam
National Bank of Pakistan, Main Market Branch Gulbarg Lahore

For Domestic Transactions
Bank A/C No: 0465004073177672

For International Transactions
IBAN:PK36NBPA0465004073177672
Swift Code: NBPAPKKAA02L

ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) کی مطبوعات سے حاصل شدہ جملہ آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صَرف کی جاتی ہے

ناشر: عرفان راٹھور اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز سے چھپوا کر B-25، گلبرگ II لاہور سے شائع کیا

طلوعِ اسلام

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
کوئی اندازہ کرسکتا ہے اُس کے زورِ بازو کا!
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
ولایت، پادشاہی، علم اشیا کی جہاں گیری
یہ سب کیا ہیں، فقط اک نکتۂ ایماں کی تفسیریں
براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے
ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنالیتی ہے تصویریں
تمیزِ بندہ و آقا فسادِ آدمیّت ہے
حذر اے چیرہ دستاں! سخت ہیں فطرت کی تعزیریں
حقیقت ایک ہے ہر شے کی، خاکی ہو کہ نوری ہو
لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرّے کا دل چیریں
یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

چہ باید مرد را طبع بلندے، مشرب نابے
دلِ گرمے، نگاہِ پاک بینے، جانِ بیتابے

(بانگِ درا۔ علامہ اقبالؒ)

(جاری ہے)

ادارہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

ایٹمی دھماکہ کافی نہیں قرآنی نظام کے نفاذ کی طرف بھی قدم بڑھایئے

مئی 1998ء کے اواخر میں پاکستانی پریس نے ملکی صورتحال کی جو تصویر کشی کی وہ الفاظ کے تھوڑے بہت تغیّر کے ساتھ کچھ اس طرح سامنے آئی۔

28 مئی کا دن پاکستان ہی نہیں، دنیائے اسلام کی تاریخ میں بھی ہمیشہ ایک یادگار دن رہے گا۔ جب پاکستان نے چاغی کے مقام پر یکے بعد دیگرے پانچ کامیاب ایٹمی دھماکے کر کے خود کو عالمی ایٹمی کلب کے معدودے چند ارکان میں شامل کر لیا۔ اس طرح بھارت کے ایٹمی دھماکوں کے بعد علاقے میں طاقت کا جو توازن بگڑ گیا تھا پاکستان نے اسے اپنے حق میں تبدیل کر لیا ہے۔ وزیراعظم پاکستان کے الفاظ میں پاکستان نے بھارتی ایٹمی دھماکوں کا حساب چکا دیا ہے بلکہ ایک مزید دھماکہ کر کے اس خطے میں بھارتی بالادستی کے خواب کو درہم برہم کر کے ہندو ذہنیت کے غرور کو خاک میں ملا دیا ہے۔ پاکستان نے یہ فیصلہ کرنے میں کافی تاخیر سے کام لیا چونکہ وہ بھارتی اقدام کے خلاف بڑی طاقتوں اور عالمی برادری کا ردعمل بغور دیکھ رہا تھا مگر جب بڑی طاقتوں اور عالمی برادری نے بھارت کے دوسرے نامنصفانہ اقدامات کی طرح اس سنگین واقعے سے چشم پوشی کی اور اس ''جرم'' کی پاداش میں بھارت کو محض رسمی اور معمولی سرزنش ہی کا مستحق گردانا گیا تو پاکستان کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ اپنی آزادی، سلامتی اور قومی غیرت کا تحفظ کرنے کی خاطر اپنی ایٹمی صلاحیتوں کا مظاہرہ کر کے دنیا پر اور خصوصاً اپنے ازلی دشمن پر واضح کر دے کہ پاکستانی قوم کسی قیمت پر بھی اپنی آزادی کا سودا نہیں کرے گی خواہ اس کے لئے کتنی ہی بھاری قیمت کیوں نہ ادا کرنی پڑے۔ اس میں انہیں ساری قوم کی تائید حاصل ہے۔ پاکستانی قوم، پاکستانی افواج اور پاکستانی سائنسدان مبارکباد اور تحسین کے مستحق ہیں جنہوں نے دشمن کا منہ توڑ جواب دے کر اپنے عزم و ارادے کا اظہار کر دیا ہے۔ پاکستان کو جوابی ایٹمی دھماکے سے روکنے کے لئے امریکہ، برطانیہ، جاپان اور دوسرے ترقی یافتہ ملکوں نے بہت لالچ دیئے اور خطرناک سنگین نتائج کی دھمکیاں بھی دیں مگر وزیراعظم کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی اور انہوں نے ان برائے نام وقتی سہولتوں کی خاطر قومی وقار اور مفادات کا سودا کرنے سے انکار کر دیا اور امریکہ، یورپ اور دیگر عالمی طاقتوں کی مخالفت، پابندیوں اور دھمکیوں کو نظر انداز کر کے دنیا کی ایٹمی طاقتوں میں پاکستان کا نام لکھوا لیا۔ اسلام دشمن طاقتیں پاکستان کے ایٹم بم کو ''اسلامی بم'' کا نام دے کر اس کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے اور دنیا کو اس کے مضمرات سے ڈرانے میں مصروف رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو عالم اسلام کے سامنے سرخرو کر دیا ہے اور اس نے صحیح معنوں میں دنیائے اسلام کا ''ناقابل تسخیر قلعہ'' کہلانے کا اعزاز حاصل کر لیا ہے۔ اسلامی ملکوں نے ان تجربات پر جس دلی مسرت

کا اظہار کیا ہے وہ ان کی آرزوؤں اور اُمنگوں کا آئینہ دار ہے۔ سعودی عرب اور دوسرے اسلامی ممالک کے علاوہ چین اور دوسرے دوست ممالک نے اعلان کیا ہے کہ وہ نامساعد حالات میں پاکستان کو ہر ممکن امداد فراہم کریں گے۔

اپریل 1998ء کے اداریہ میں طلوع اسلام نے لکھا تھا کہ اب جب کہ بھارت ایٹمی دھماکے کر کے اپنی قوت کا مظاہرہ کر چکا ہے پاکستان میں بسنے والے مسلمانوں کے لئے قرین مصلحت ہی نہیں بلکہ حکم خداوندی ہے کہ ''تم اپنے ہاں امکان بھر قوت فراہم کرو تا کہ اس سے تمہارے اور نظام خداوندی کے دشمنوں کے دل میں تمہاری دھاک بیٹھی رہے۔ ان دشمنوں کے علاوہ ان دشمنوں کے دلوں میں بھی جنہیں ابھی تم نہیں جانتے لیکن خدا کو ان کا علم ہے۔'' (8:60) ہمارے لئے یہ امر باعث مسرت ہے کہ وزیر اعظم نواز شریف کے مطابق، ایٹمی دھماکہ کرنے سے پہلے وہ بیرونی دباؤ اور متوقع خطرات کے پیش نظر زبردست ذہنی اضطراب میں مبتلا تھے۔ ایسے میں، بقول ان کے، انہوں نے یہ معاملہ قرآن کی بارگاہ میں پیش کیا تو ان کے ذہن پر قرآن مجید کی وہی آیت ابھری جس کا ذکر طلوع اسلام کر چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے اس حکم نے انہیں حوصلہ بخشا۔ انہوں نے بزن کہا اور بلوچستان کے بلند و بالا پہاڑ تجرباتی دھماکوں سے لرز اٹھے۔ بھارت کے بتکدوں میں بھونچال آ گیا اسلامی دنیا کو یقین آ گیا کہ احکام خداوندی کی بجا آوری کتنی اہم اور بروقت تھی۔

یہ درست ہے کہ کشمکش میں قوت کا مقابلہ قوت سے ہوتا ہے۔ جس کے پاس زیادہ قوت ہوگی وہ کامیاب ہو جائے گا۔ فتح اور شکست کا عام اصول یہی ہے۔ لیکن قرآن کہتا ہے کہ اس کے ساتھ ہی ایک اور عنصر بھی ہے جو شکست اور فتح کے معاملہ میں بڑا گہرا اثر رکھتا ہے۔ وہ عنصر یہ ہے کہ تم کس قسم کے اصول اور نظام کی خاطر لڑ رہے ہو؟ اگر تم اس صحیح نظام کی خاطر مصروف جدوجہد ہو جو تمام نوع انسانی کی بھلائی کی خاطر قائم کیا جا رہا ہے تو اس اصول کی قوت بھی تمہارے ساتھ ہوگی اور تمہاری اپنی قوت کی تھوڑی بہت کمی اس اصول کی قوت سے پوری ہو جائے گی۔

اندریں حالات ہماری نظر میں کامیاب ایٹمی دھماکے کر کے مطمئن ہو جانا کافی نہیں اقوام عالم میں آگے بڑھنے کے لئے ہمیں اپنی اصل منزل کی طرف بھی قدم بڑھانا ہوگا تا کہ جس مملکت کا خواب علامہ اقبالؒ کی چشم بینا نے دیکھا اور جس کا تصور قائداعظمؒ کی نگہ بلند نے دیا تھا وہ حقیقت بن کر سامنے آ جائے اور وہ منزل پاکستان کے لئے ایک خطہ زمین کا حصول تو نہ تھی کہ ایٹم بم بنا لینے سے وہ خطہ زمین محفوظ ہو گیا۔ وہ منزل اس خطہ زمین میں صحیح اسلامی مملکت کا قیام ہے جس پر کام ہونا ابھی باقی ہے۔

ہمارا یہ دعویٰ ہے (اور یہ دعویٰ ہمارے ایمان پر مبنی ہے) کہ اسلام اللہ کی طرف سے عطا کردہ، آخری اور مکمل دین (ضابطۂ حیات) ہے جو نوع انسانی کی تمام مشکلات، یعنی زندگی کے تمام بنیادی مسائل، کا حل اپنے اندر رکھتا ہے۔ لیکن جب ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام کیا ہے تو اس کے جواب میں مختلف گوشوں سے مختلف آوازیں آنی شروع ہو جاتی ہیں اور جب ان آوازوں کو یکجا کیا جائے تو ان کا ماحصل نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ کے مسائل سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا۔ اب ظاہر ہے کہ جس اسلام کا تصور صرف اس قدر ہو وہ (تمام نوع انسان کی مشکلات تو ایک طرف خود) مسلمانوں کی مشکلات کا حل بھی پیش نہیں کر سکتا۔ اسلام ایک نظام زندگی ہے، جس کی بنیادیں مستقل اقدار (Permanent Values) پر قائم ہیں۔ جب تک یہ بنیادی مستقل اقدار واضح، غیر مبہم اور متعین طور پر سامنے نہ آ جائیں، یہ سمجھ نہیں آ سکتا کہ وہ نظام زندگی ہے کیا جسے اسلام

سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جو زندگی کے اہم مسائل کا حل اپنے اندر رکھتا ہے۔

اپنی تقدیر سنوارنے کے لئے ہمیں اس حقیقت کو اپنے سامنے رکھنا ہوگا کہ قرآن کا منتہی، وحدت قانون کی بنیاد پر، تمام نوع انسانی کو ایک عالمگیر برادری بنانا ہے۔ اس کا ارشاد ہے کہ کان الناس امۃ واحدۃ (2:213) ''تمام نوع انسانی ایک قوم تھی'' اور یہ بھی ایک مستقل قدر ہے۔ سو جو نظام تمام انسانوں کو ایک برادری کے قالب میں ڈھالنے کا پروگرام اپنے سامنے رکھتا ہو، خود اپنے اندر فرقوں اور پارٹیوں کو کیسے برداشت کرسکتا ہے۔ اس کے نزدیک انسانوں کی تقسیم کا معیار ایک ہی ہے، یعنی کفر اور ایمان (64:2)، نوع انسان کو ایک مرکز پر جمع کرنے کے لئے وہ آغاز کار کے طور پر ایک اُمت تشکیل کرتا ہے جسے وہ اُمت مسلمہ کہہ کر پکارتا ہے۔ اس اُمت کی وحدت، توحید کی مظہر ہے۔ اس لئے تفرقہ (فرقہ بندی) اس کے نزدیک شرک اور کفر ہے (30:31-32)۔ رسول اللہ ﷺ سے کہا گیا ہے کہ ایسے لوگوں سے تیرا کوئی واسطہ نہیں جو دین میں فرقے پیدا کرتے ہیں (6:160) باہمی اختلافات اس کے نزدیک اللہ کا عذاب ہے (3:104) اور اس سے محفوظ رہنا اللہ کی رحمت (11:118)۔ ہم ان آیات کو خوب جھوم جھوم کر پڑھتے ہیں لیکن غیر قرآنی روش نہیں چھوڑتے۔

آپ سوچئے کہ کہاں اُمت کا یہ مقصد کہ تمام اقوام عالم کے اختلافات مٹا کر، انہیں ایک عالمگیر برادری بنا دیا جائے اور کہاں اس اُمت کی اپنی یہ حالت کہ دو مسلمان خانہ خدا میں رو بہ قبلہ ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتے! یہ ہے فرقہ پرستی کا نتیجہ اور اس کی واحد ذمہ دار ہے مذہبی پیشوائیت جو مروجہ مذہب (فرقوں والے اسلام) کو دین خداوندی بتا کر اُمت کو تھپکیاں دے دے کر سلائے رکھتی ہے۔ یہ ہمارے کانوں میں یہ سحر پھونک دیتی ہے کہ ہمارے فرقے، وہ، فرقے نہیں جنہیں قرآن شرک قرار دیتا ہے، یہ ''مکاتب فکر'' ہیں۔ اس نے الفاظ کے ذرا سے پھیر سے اُس شرک، (فرقہ پرستی کے شرک) کی گرہیں اور مضبوط کر دیں لیکن الفاظ کے بدل جانے سے حقیقت تو نہیں بدل جاتی۔ سنکھیا تو سنکھیا ہی رہتا ہے خواہ اس کا نام کچھ ہی کیوں نہ رکھ دیا جائے۔

قوم میں ایک نئی روح پھونکنے کے لئے اور اس میں اجتماعی زندگی اور مسلم قومیت کا شعور پیدا کرنے کے لئے چند گزارشات، وزیراعظم کے غور و فکر کے لئے پیش خدمت ہیں:

1۔ دستور میں قرآن حکیم کی مکمل اور غیر مشروط بالادستی کو قائم کرنے کے لئے مناسب ترامیم جتنی جلد ممکن ہو لائی جائیں۔

2۔ وطن یا نسل کو بنائے قومیت قرار دینے سے، قوم کی تشکیل کے لئے کسی قسم کی جدوجہد کی ضرورت نہیں ہوتی، ہر بچہ پیدائشی طور پر اس قوم کا فرد ہوتا ہے جس میں وہ پیدا ہو لیکن کسی نظریہ کی بنا پر قوم کی تشکیل کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ قوم کے بچوں کو اس نظریہ کی تعلیم دی جائے۔ ہم نے اس اہم مقصد سے نہ صرف اغماض برتا بلکہ دین کی تعلیم کو مذہبی پیشوائیت کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ آج ہم اپنی اس غفلت کا نتیجہ بھگت رہے ہیں۔ ہماری نئی نسلیں ہمارے نظریۂ حیات ___ نظریۂ پاکستان ___ سے ہی بیگانہ ہو رہی ہیں۔ اب اس نظریہ کے تحفظ کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ اس

کوقوم کا نصب العین حیات قرار دیا جائے۔ اسے نئی نسل کی تعلیم وتربیت کے نصاب میں داخل کیا جائے تا کہ پاکستان کا مستقبل مستحکم ہو سکے۔ چونکہ جس اسلامی مملکت کے قیام کے لئے وزیراعظم کوشاں ہیں اس کی عمارت کی بنیاد اسی نظریۂ حیات پر اٹھتی ہے، اس لئے اس نظریہ کا تحفظ اور اس کی تعلیم وزیراعظم کی ذاتی ذمہ داری ہے۔ وقت کا تقاضا ہے کہ مملکت کا شعبہ تعلیم وتربیت (بشمول دینی تعلیم) وزیراعظم کی ذاتی نگرانی میں ہو، تا کہ نظریۂ حیات پر مبنی ایک ایسا نصاب تعلیم تیار کیا جائے، جو پوری قوم میں وحدت فکر وعمل پیدا کرنے میں مدد ومعاون ثابت ہو اُمت کی وحدت کی بنیاد یاد رہے ایک اللہ کے ایک ضابطۂ حیات اور ایک نصاب/ ضابطہ تعلیم کے مطابق زندگی بسر کرنے پر ہوتی ہے۔

3۔ ملت میں وحدت فکر، قرآن حکیم کو قرآن ہی سے سمجھنے سے پیدا ہوگی۔ روایات سے نہیں، جو ہر مذہبی فرقے کی الگ الگ ہیں۔ وقت کی اہم ضرورت ہے کہ قرآن حکیم کے معانی ومفہوم کا ایک ایسا مستند نسخہ حکومت کی نگرانی اور ذمہ داری میں، تیار کیا جائے جو منجملہ اور باتوں کے، اسلام کے ان بنیادی اور غیر متبدل اقدار اور اصولوں کو اجاگر کرے جن پر اسلامی مملکت کی عمارت استوار ہوتی ہے اور جو زندگی کے اہم مسائل کا حل اپنے اندر رکھتے ہیں۔ حکومت کا تیار کردہ اور منظور کردہ یہ قرآنی نسخہ تمام چھوٹی بڑی تعلیمی درس گاہوں (بشمول دینی درس گاہوں) ریڈیو، ٹی وی، سرکاری دفاتر اور دیگر سرکاری اور غیر سرکاری اداروں میں صحیح قرآنی تعلیم پھیلانے کا واحد ذریعہ ہوگا۔ قرآنی تعلیم سے مراد وہ تعلیم نہیں جو ہمارے مدارس میں ''دینی علوم'' کی شکل میں دی جاتی ہے۔ طلباء کے لئے قرآن کی تعلیم ایسی ہونی چاہئے کہ متعلم، علی وجہ البصیرت یہ محسوس کرنے لگ جائے کہ بلاشک وشبہ یہ کتابِ عظیم نوع انسانی کے لئے واحد اور مکمل ضابطۂ حیات ہے اور انسانیت کی مشکلات کا حل اس کے سوا اور کہیں نہیں مل سکتا۔

4۔ اسی طرح، قرآن حکیم کی روشنی میں، حضور نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ پر بھی ایک مستند کتاب، حکومت کی نگرانی میں تیار کی جائے، جو منجملہ اور باتوں کے، اس اسلامی نظام پر بھی روشنی ڈالے جو حضور ﷺ نے قائم فرمایا تھا اور جو حضور ﷺ کے بعد، خلفائے راشدینؓ کے زمانے میں آگے چلا، کیونکہ:

''وہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہوگی''

ان گزارشات کا واحد مقصد فرقہ پرستی کے رجحان کو ختم کر کے ملت میں وحدت فکر کے فروغ کی حوصلہ افزائی ہے۔ یہ مقصد راتوں رات حاصل نہیں ہو جائے گا۔ اس کو حاصل کرنے کے لئے میر کارواں کو نہایت احتیاط سے پلاننگ کرنا ہوگی کہ مقصد بھی حاصل ہو جائے اور ''بھڑوں کا چھتہ'' بھڑ کے بھی نہیں۔ اس کے لئے قرآنی دعوت کا دیا جلانا ہوگا (3:102) اور اس کو دنیاوی اسباب وذرائع کے تیل سے نہیں بلکہ اپنے خون جگر سے جلائے رکھنا ہوگا۔

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلماں اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کردار!
(اقبالؔ)

آخر میں ایک بار پھر سن لیجئے! ہمارے معاشرہ کا بگاڑ اللہ کی مقدس کتاب کے ساتھ مسلسل کھیل کھیلنے کی بنا پر ہے۔ اگر ہم نے یہ کھیل بند نہ کیا اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کی پیروی نہ کی ان اتبع الا ما یوحی الی (7:203، 10:15، 46:9) اور قرآن اور

صرف قرآن کو اپنے آئین کی بنیاد نہ بنایا تو پھر فطرت کے فیصلے کا انتظار کیجئے۔ قرآن حکیم نے کہا ہے کہ جب کوئی قوم مہلت کے وقفہ سے فائدہ نہ اٹھائے اور اپنی ذہنیت نہ بدلے، اپنی روش نہ بدلے تو: (47:38) کے مطابق

''اگر تم اس نظام سے روگردانی کرو گے اور اپنے عہد سے پھر جاؤ گے تو وہ تمہاری جگہ کوئی دوسری قوم لے آئے گا جو تمہاری جیسی نہ ہوگی۔''

یہی وہ اصول خداوندی ہے جس سے ہمیں ڈرنا چاہئے کہ وہ ہمیں مہلت کے وقفے بار بار نہیں دے گا۔

انداز بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات

(ماہنامہ طلوع اسلام، جولائی 1998ء سے ماخوذ)

یکے از مطبوعات کاروانِ باغبان

(مسئلہ ملکیت زمین نوعِ انسانی)

☆ ایک بہت بڑا قیامت خیز فتنہ

☆ روس، چین اور کچھ کچھ دوسرے ملک بھی اس پر تجربات کر چکے ہیں مسلمان حکمرانوں میں کوئی جرأت مند دیدہ ور پیدا نہ ہوسکا جو الارض للہ کے لحاظ سے عملی طور پر کچھ کر کے دکھاتا۔

☆ ہماری حالت یہ ہے کہ حکمران۔ سب پراپرٹی کا کام کر رہے ہیں اخبارات میں پراپرٹی کے اشتہارات دیکھ کر حیرت میں گم ہو جانا تو عام سی بات ہے۔

☆ اگر انسان زمین کا مالک نہیں تو اُسے نہ خرید سکتا ہے نہ فروخت کر سکتا ہے نہ اس کو وراثت میں تقسیم کر سکتا ہے۔ نہ اس میں جھگڑا پیدا ہوتا ہے کہ مرد کو ملے گی خاتون کو نہیں ملے گی یہ انتقال کے رجسٹر۔ ریکارڈ جمع بندیاں سب بیکار ہو کر رہ جاتے ہیں۔

☆ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے:

رزق دگو راز وے بگیر اور رامگیر

رزق پیدا کرنے کے لحاظ سے جاگیرداری بڑا ادارہ ہے لیکن اس میں مزارعین کا جو حال ہے ہو سب کے سامنے ہے۔ عدالتوں میں زمین کے مقدمات کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔

☆ نظام ربوبیت کے لحاظ سے جو انسانی گروہ زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل کر سکتا ہے۔ اُسے زمین دی جائے گی۔ وہ مزارعین نہیں رکھ سکتا لیبر رکھ سکتا ہے۔

اور سب سے ضروری وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ (6:141) ہر پیدا کرنے والے کو اس کا عشر دنیا پڑے گا محکمہ عشر کا قیام بہت ضروری ہوگا۔

خادم الارض للہ

ملک حنیف وجدانی (کاروانِ باغبان، مری)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پروفیسر ڈاکٹر زاہدہ درانی ـــــ طلوعِ اسلام کا روشن ترین مینار

(بانی ٹرسٹی و ایگزیکٹو ہیڈ طلوعِ اسلام ٹرسٹ - 2025 - 1986)

ڈاکٹر زاہدہ خانم درانی 05 اپریل 2025ء کی صبح اس جہانِ فانی سے رخصت ہوگئیں۔ یوں ایک سنہری عہد تمام ہوا۔ علامہ پرویز اور طلوعِ اسلام سے اُن کا تعلق ساٹھ سال سے زائد پر محیط ہے۔ وہ طلوعِ اسلام ٹرسٹ کی بانی رکن، پہلی اور تاحیات ایگزیکٹو ہیڈ تھیں۔ ہمہ جہت شخصیت ہونے کی وجہ سے مختلف شعبوں میں بھرپور کردار ادا کیا۔ تمام اراکینِ ٹرسٹ کی نمائندگی کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحبہ کو دل کی گہرائیوں سے خراجِ عقیدت پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

علامہ پرویز کی وفات کے بعد، وابستگانِ فکرِ قرآنی نے مکمل اعتماد کے ساتھ طلوعِ اسلام کی سب سے اہم ذمہ داری پروفیسر ڈاکٹر زاہدہ درانی کے سپرد کی۔ جس خوبی اور خوبصورتی سے انہوں نے اپنی ذمہ داری کا حق ادا کیا، وہ بے مثال ہے۔ اُن کی زیرِ سرکردگی طلوعِ اسلام ٹرسٹ تمام مشکل مراحل سے نکل کر جانبِ منزل رواں دواں ہے۔ اُس دور کی تمام بزمہائے طلوعِ اسلام، علامہ پرویز کے قریبی رفقاء اور فیملی ممبران کا ڈاکٹر صاحبہ پر مکمل اعتماد تھا۔ ٹرسٹ بلڈنگ کے لئے پلاٹ کی خریداری، دفاتر کے لئے عمارت کی تعمیر، باقاعدہ لائبریری، سٹور رومز اور درسِ قرآن کے لئے مناسب جگہ کا اہتمام کرنا بے حد مشکل مراحل تھے جنہیں خوش اسلوبی سے سرانجام دیا گیا۔ مالی مشکلات کے باوجود تمام آوٹ آف سٹاک کتب کی اعلیٰ کتابت اور بہترین پروف ریڈنگ اور زبردست پرنٹنگ کا اہتمام کیا گیا۔ کتب کے معیار بہترین مگر قیمت کم از کم رکھنے کے لئے دو ایڈیشن شائع کئے گئے۔ پمفلٹس کی اشاعت کا ازسرِ نو انتظام ہوا اور بغیر قیمت تقسیم کئے جاتے رہے۔ قرآنی فکر کی وسعت آشنائی کے لئے ہر سال دو سال بعد پراجیکٹ بنائے جاتے رہے۔ اخبارات و رسائل میں اشتہار دے کر متلاشیانِ حق کو اُن کی درخواست پر ''اسباب زوالِ امت'' یا ''ختم نبوت'' یا ''ہندو کیا ہے؟'' وغیرہ حسب ضرورت پمفلٹس بھجوائے جاتے رہے۔

ڈاکٹر صاحبہ عیدین، قومی اہمیت کے تہواروں اور اپنے ہیروز کی یاد میں پراجیکٹس بناتی رہتی تھیں۔ فرمایا کرتیں کہ جو قوم اپنے محسنوں کو یاد رکھنا چھوڑ دیتی ہے، اُس میں محسنین پیدا ہونا بند ہو جاتے ہیں۔ عید میلاد النبی، جشنِ نزولِ قرآن، یومِ پاکستان، یومِ اقبال و قائدِ اعظم کے لئے اہتمام کئے رکھتیں۔ قومی اخبارات میں اپنے تعلقات کی وجہ سے علامہ پرویز کے

مضامین شائع کروائے۔ ہر اہم کتاب میلہ اور پبلک مقامات پر طلوعِ اسلام ٹرسٹ کے سٹالز کا اہتمام بھی ایک مستقل فیچر رہا۔ سالہا سال تک ہفتہ وار درسِ قرآن کا اہتمام بھی طلوعِ اسلام ٹرسٹ نے اپنے ذمہ لئے رکھا۔ علامہ پرویز کی تمام اہم تصانیف کے انگریزی تراجم کی اشاعت کا اہتمام کیا۔ اندرون و بیرون ممالک بزم ہائے طلوعِ اسلام سے باہمی تعاون کی فضا قائم کی۔ ڈاکٹر زاہدہ درانی صاحبہ کی واضح پالیسی رہی ہے کہ طلوعِ اسلام کے تمام شعبہ جات اپنے اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے ترقی کریں۔ وہ ہر ممکن کوشش کرتیں کہ کسی شعبہ کے معالات میں ذرہ بھر بھی مداخلت نہ ہو۔

پرویز میموریل ریسرچ سکالرز لائبریری کا قیام ایگزیکٹو ہیڈ ٹرسٹ کا شاندار کارنامہ ہے۔ گورنر سندھ اور ڈان میڈیا کے چیرمین محمود عبداللہ ہارون نے لائبریری کا افتتاح کیا۔ نایاب تحقیقی کتب اور رسالہ جات کی وجہ سے لائبریری سے استفادہ کے لئے اندرون و بیرون ممالک سے ریسرچ سکالرز تشریف لاتے رہے۔

ڈاکٹر زاہدہ درانی نے ہر دور کے تقاضوں کو بہت اہمیت دی۔ تمام کتب، ماہنامہ طلوع اِسلام اور پمفلٹس کو سکین کروایا اور اُس زمانے میں یہ سارا علمی مواد ویب سائٹ پر فری دستیاب کر دیا کہ جب ابھی انٹرنیٹ کا بالکل آغاز تھا۔ آڈیوز کے سپولز سے آڈیو کیسیٹ میں منتقل کروانے کے بعد سی ڈی اور ڈی وی ڈی پراجیکٹ بنائے۔ سوشل میڈیا عام ہونے پر تمام مواد ہر پلیٹ فارم پر دستیاب کر دیا گیا۔ یہی معاملات ویڈیوز دروس کے ہیں۔ کتب کی کمپیوٹر کمپوزنگ اور انتہائی عالی شان پرنٹنگ پر توجہ دی۔

دنیا بھر سے ڈیلیگیشن تشریف لاتے، وہ اپنی دیگر مصروفیات کے باوجود وقت نکال لیتی تھیں کہ طلوعِ اسلام اُن کی پہلی ترجیح تھی۔ وہ انتہائی وضع دار، خوش خلق، ملنسار شخصیت تھیں۔ شاید ہی کبھی ایسا ہوا ہو کہ اُن سے ملاقات کا خواہش مند نہ مل پایا ہو۔ بے پناہ مصروف زندگی کے باوجود وہ اندرون و بیرون ملک خوشی غمی میں شامل ہونے، فنکشن اور میٹنگ کے لئے وقت نکالتی تھیں۔

ٹرسٹ کا قیام عمل میں آ گیا تو انہوں نے ہر علمی ورثہ کے چار سیٹ بنوائے۔ حفاظت کے پیشِ نظر دو سیٹ بیرونِ ملک منتقل کئے اور دو پاکستان میں مختلف مقامات پر۔ انٹرنیٹ کا دَور انہیں بہت اچھا لگتا تھا کہ اب علمی ذخیرہ ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گیا۔ کتب کا سٹاک بھی مختلف مقامات پر سٹور کیا جاتا۔ اُن کے کلینک کے کئی کمروں میں کتب سٹور رہتی تھیں۔ کسی بھی حادثہ اور نقصان کی وجہ سے کام رک نہ جائے —— یہ اُن کی سب سے بڑی فکرمندی ہوا کرتی۔

ڈاکٹر صاحبہ اور اُن کی ٹیم نے ٹرسٹی ہونے کا حق ادا کر دیا۔ اُن کی خدمات اور کارناموں کے ذکر کے لئے تو دفتر مطلوب ہیں۔ مجھے اُن کی سرپرستی میں بطور ٹرسٹی اور وائس ایگزیکٹو ہیڈ طلوعِ اسلام ٹرسٹ ذمہ داریاں نبھانے کی سعادت نصیب رہی ہے۔ انہوں نے بھرپور زندگی گزاری اور اُن کی محنتوں کے ثمرات صدقہ جاریہ رہیں گے۔

پروردگار ہمیں اُن کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

عبیدالرحمٰن ارائیں

(طلوعِ اسلام ٹرسٹ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پروفیسر ڈاکٹر زاہدہ خانم درانی

(بانی ٹرسٹی وایگزیکٹو ہیڈ طلوعِ اسلام ٹرسٹ۔ 2025 - 1986)

پروفیسر ڈاکٹر زاہدہ درانی صاحبہ 05 اپریل 2025 کی صبح اس دنیا سے رخصت ہوگئیں۔ مرحمت وسخاوت، وسعتِ ظرفی، شفقت، مروت، وضع داری، دریادلی، سادگی اور شائستگی کا جیتا جاگتا نمونہ تھیں ڈاکٹر میڈم۔

صبح موبائل دیکھا تو فرحان عطاارائیں صاحب کی کئی کالز آئی ہوئی تھیں اور میسیج تھا کہ کال کروں۔ ناظم صاحب سلیم اختر کے مزید میسجز دیکھ کر، فرحان ارائیں صاحب اور محترمہ انجم زبیر سے بات کر کے جذباتی صدمہ کی کیفیت طاری ہوگئی۔ فوری طور پر لاہور کے لئے روانہ ہوگئے۔ الحمدللہ جنازہ اور تدفین میں شامل ہونے کی سعادت میسر آگئی تو کچھ قرار نصیب ہوا۔

میں نے اپنی زندگی میں ڈاکٹر صاحبہ ایسا شان دار انسان نہیں دیکھا۔ شب و روز محنت بلکہ مشقت میں مصروف اور اللہ کی مخلوق کی خدمت پر بھرپور توجہ۔ ایسی بھرپور زندگی گزاری کہ رشک آئے۔ محنت سے مال و دولت بے پناہ کمایا اور مفادِ عام کے لئے ہی خرچ کرتی گئیں۔ خود میرے ذریعہ کروڑوں روپے عطیہ کئے۔ علاقہ، گھر، ہسپتال اور کلینک وہی رکھا جہاں سے زندگی شروع کی۔ تمام زندگی سادگی، وقار اور نفاست سے گزاری۔ جس ادارہ یا شخصیت کا اُن کی زندگی کے سدھار میں کچھ تعلق تھا، اس کو ڈھونڈ ڈھانڈ کر خدمت کرنے کی کوشش کی۔ میری خوش نصیبی کہ اِن تمام معاملات میں، مجھے اُن کے ساتھ شامل رہنے کا موقع ملا۔

برطانیہ اور امریکہ میں سپیشلسٹ ڈاکٹر رہنے کے باوجود پاکستان کے فاطمہ جناح میڈیکل کالج اور سرگنگا رام ہسپتال کو ترجیح دی۔ اختیار کی نہ کبھی خواہش کی اور نہ کوشش، مگر پھر بھی اپنے شعبے کے سارے عہدے، ان کے سامنے سر ٹیکتے رہے۔ ملک کے اہم ترین سکالرز، آفیسرز، سیاست داں، حکمران، اور علما و مشائخ اُن سے تعلق داری کو بجا طور پر اعزاز سمجھتے تھے۔ نمازِ جنازہ کا اہتمام خصوصی طور پر جامعہ اشرفیہ لاہور میں تھا۔ جنازہ سے قبل جامعہ شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف خان صاحب نے جس والہانہ پن سے ڈاکٹر صاحبہ اور اُن کی خدمات کا تفصیلی انداز میں تعارف کروایا تو اس سے بخوبی اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ خود اور جامعہ کے سربراہ مولانا فضلِ رحیم اشرفی ڈاکٹر میڈم سے حد درجہ عقیدت رکھتے ہیں۔

اُن کے مریض تین نسلوں تک تو عام تھے اور یہی کیفیت اُن کے سٹوڈنٹس کی بھی تھی۔ مجھے یاد نہیں کہ انہوں نے کبھی راست اور شائستگی کا دامن چھوڑا ہو، ایک دفعہ بھی تو نہیں۔ جو بات اُن کو ٹھیک لگی، اُس کو خلوص اور ذمہ داری سے نبھایا۔ علم، حلم اور خدمت میں نام پیدا کیا۔ سکالرشپ، دواؤں اور عطیات سے ہزاروں کا سہارا بنیں۔ انتہا کی وضع دار تھیں۔ گھر آئے مہمان کی خدمت اور تکریم اُن پر بس تھی۔ میرا تو، یوں سمجھئے، اُن کے ہاں آئے روز کا آنا جانا تھا مگر ہمیشہ ایسے ٹریٹ کرتیں کہ

مجھے شرمساری ہونے لگتی۔

میں ابھی انیس سال کا ہی تھا کہ اُن کی سرپرستی اور تربیت میں آ گیا۔ صرف میری نہیں بلکہ کئی نسلوں کی پرورش اور تربیت انہوں نے کی۔ کتنے ہی ڈاکٹرز اور اُن کے کولیگ سے یہ کہتے سنا کہ ہم نے ڈاکٹری اور زندگی کے اصول ڈاکٹر صاحبہ سے سیکھے۔ وہ اتنے نفیس انداز میں اپنی بات سمجھنے سمجھانے کا ہنر رکھتی تھیں کہ شاید ہی کبھی ان کو اپنی بات پر اصرار کرنے کی ضرورت پڑی ہو۔ زندگی کے ہر مشکل موڑ پر میرے آگے آگے مثال بن کر یوں چلتی رہیں جیسے ان کو راستوں کے سارے پیچ وخم بخوبی معلوم تھے۔

ایسا بھی بہت بار ہوا کہ اُن کی سخاوت، شائستگی اور خلوص کا ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کی گئی مگر دکھ اور دھوکہ دینے والوں کے متعلق ذاتی رنجش اور غصہ کو شعار کبھی نہ بنایا۔

وہ صبر، شکر، فکر ونظر کے ستونوں پر کھڑی ایک چھت تھیں، جس کے سائے میں لوگ بیٹھتے رہے اور رہیں گے کیوں کہ انہوں نے ایسے کام کر دئے ہوئے ہیں کہ جو صدقہ جاریہ رہیں گے۔ ڈاکٹر زاہدہ درانی صاحبہ سوچ اور عمل میں جھوٹ، بناوٹ اور سجاوٹ سے دور رہیں۔ ذاتی جذبات میں آ کر کبھی کسی کو تعصب اور نفرت کے خانے میں فٹ نہیں رکھا۔

انفرادی اور اجتماعی سطح پر خودنمائی سے مکمل پرہیز کرنے والی اور متوازن انکسار سے بنی ہوئی تہذیبی شخصیت تھیں۔ شاید ہی کبھی وہ کہیں اہتمامی نشست اور مقام پر بیٹھی ہوں گی۔ درس، کنونشن، میٹنگ یا فنکشن میں آتیں تو سامعین وحاضرین کے درمیان ہی بیٹھنا پسند کرتیں۔ یہی وجہ ہے کہ وابستگانِ قرآنی فکر میں سے اکثر اُن سے متعارف ہی نہیں ہیں۔ بہت ہی محدود بات کرتیں مگر جہاں حق اور سچ کی آواز بلند کرنے کی ضرورت ہوتی تو وہاں خاموش نہ رہتیں۔

علامہ پرویز سے براہِ راست قرآن پڑھا سمجھا۔ علامہ پرویز اور فکرِ قرآن سے اُن کی دلبستگی کا کیا کہنا ـــــ جیسے صرف یہی اُن کی زندگی کا محور ومرکز ہو۔ وہ اُن کو بابا جی کے نام سے یاد کرتیں۔ علامہ صاحب کے فیملی ممبران بھی انہیں باجی زاہدہ کے نام سے پکارتے اور بے پناہ عقیدت واحترام کے ساتھ۔ پرویز صاحب کی وفات کے بعد طلوعِ اسلام کا سسٹم قائم اور جاری رکھنے میں سینئر نمائندگانِ بزم طلوعِ اسلام اور علامہ پرویز فیملی نے ڈاکٹر زاہدہ درانی صاحبہ پر بھرپور اعتماد کیا۔

وہ اگرچہ گورنمنٹ سروس میں تھیں اور بے پناہ مصروف بھی مگر قرآنی فکر کی وسعت آشنائی میں دامے، درمے اور سخنے بھرپور کردار ادا کیا۔ بے شمار اداروں اور تنظیموں نے انہیں پوزیشن دی ہوئی تھیں۔ وہ جہاں بھی ذمہ داری قبول فرماتیں، ماہنامہ طلوعِ اسلام، پمفلٹس اور کتب ضرور رکھواتیں۔ اُن کے کلینک میں ہر طبقہ اور پورے پاکستان سے مریض آتے، وہاں بھی قرآنی لٹریچر مطالعہ کے لئے موجود ہوتا۔

پروفیسر ڈاکٹر زاہدہ درانی صاحبہ طلوعِ اسلام کا روشن مینار تھیں اُن کی جتنی بھی تعریف کی جائے حق ادا ہو ہی نہیں سکتا۔ پروردگار اُن کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

(حسین قیصرانی، لاہور)

آہ! ایک اور شمعِ قرآنی بجھ گئی

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

محترم عبیدالرحمن ارئیں صاحب کا دلخراش پیغام پڑھ کر انتہائی دکھ اور افسوس ہوا، کہ محترمہ ڈاکٹر زاہدہ درانی صاحبہ، چیف ایگزیکٹو طلوع اسلام ٹرسٹ، اس جہان فانی سے رحلت فرما گئیں۔

وہ انتہائی مخلص، شفیق، باوقار، صاحب علم اور باعزت خاتون تھیں۔ انہوں نے اپنی زندگی قرآن خالص کے ابلاغ کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ ان کی تحریک طلوع اسلام کیلئے بے انتہا گرانقدر خدمات ہیں۔ سب سے اہم یہ کہ قرآنی فکر کے اس مرکز محسوس یعنی بابا جی کے گھر، 25 بی گلبرگ میں سے یہ موجود عمارت جہاں پر طلوع اسلام ٹرسٹ اور ادارہ طلوع اسلام کے دفاتر ہیں، محترمہ ڈاکٹر صاحبہ کا ایک انمول تحفہ ہے۔ علامہ پرویز علیہ رحمہ کی تصانیف کو شائع کروانے، دروس القرآن کی ریکارڈنگ اور ٹرسٹ کے دیگر اخراجات، زیادہ تر، وہ پورا کرتی تھیں۔

ان کی گرانقدر خدمات کو حلقہ طلوع اسلام میں ہمیشہ کے لئے یاد رکھا جائے گا۔ ان کی وفات تحریک طلوع اسلام کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطاء فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل عنایت فرمائے۔ آمین یارب العالمین

خورشید انور (چیئرمین ادارہ)

ڈاکٹر زاہدہ خانم درانی صاحبہ

علم، اخلاص اور خدمت کی روشن مثال

ڈاکٹر زاہدہ درانی صاحبہ کے انتقال کی خبر دل گرفتہ کر دینے والی ہے۔ وہ ایک باوقار، صاحبِ علم، دردِ دل رکھنے والی، اور دینِ حق کی بے لوث خدمت گزار خاتون تھیں۔ ان کی پوری زندگی اسلام کے پیغام کو عام کرنے اور فکرِ قرآنی کو لوگوں تک پہنچانے میں گزری۔

1985ء میں محترم غلام احمد پرویز صاحب کی وفات کے بعد جب طلوع اسلام ٹرسٹ کی بنیاد رکھی گئی، تو ڈاکٹر صاحبہ اس کے بانی ارکان میں شامل تھیں۔ وہ اس وقت سے لے کر اپنی وفات تک اس ادارے کی فکری و مالی خدمت میں مسلسل مصروف رہیں۔ ان کی کاوشوں اور قربانیوں کے بغیر اس ادارے کا جاری رہنا ممکن نہ ہوتا۔

ان کی تحریریں، لیکچرز اور فکری رہنمائی نے بے شمار لوگوں کو اسلام کے اصل پیغام یعنی قرآنِ حکیم کی تعلیمات کی طرف متوجہ کیا۔ وہ سادگی، استقامت اور اخلاص کی پیکر تھیں۔ انہوں نے کبھی کسی شہرت، عہدے یا دنیاوی منفعت کی پروا نہیں کی۔ ان کا مقصد صرف اور صرف فلاحِ انسان اور قرآن کی سربلندی تھا۔

ان کی رحلت سے ایک ایسا خلا پیدا ہو گیا ہے جو مدتوں پُر نہ ہو سکے گا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ان کے درجات بلند کرے اور انہیں جنت الفردوس میں اپنے مقرب بندوں میں شامل فرمائے۔ امین

محمد سلیم اختر (ناظم ادارہ طلوعِ اسلام)

محترمہ ڈاکٹر زاہدہ درانی صاحبہ کی وفات کا سن کر بے حد افسوس ہوا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ طلوع اسلام ٹرسٹ کے قیام میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے۔ ان کی ساری زندگی اسلام کی خدمت میں گزری۔ وہ نہایت نرم مزاج اور شفقت کرنے والی تھیں۔ اور بے شمار لوگوں کی مدد کرتی تھیں۔ امید ہے ان کی آخرت کی منزل جنت ہوگی۔

آصف جلیل (وائس چیئرمین ادارہ، نمائندہ بزم لاہور)

طلوع اسلام ٹرسٹ کی سربراہ محترمہ زاہدہ درانی صاحبہ کی رحلت کا بے حد افسوس ہے۔ ٹرسٹ کے قیام سے ابتک طویل عرصہ دامے درمے سخنے خدمات انجام دیں۔ ان کا انداز گفتگو مدلل شستہ اور پروقار ہوتا تھا۔ تحریک طلوع اسلام ایک نہائت مخلص شخصیت سے محروم ہوگئی اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائے۔ محمد اقبال (سابق نمائندہ کراچی ڈی ایچ اے)

محترمہ زاہدہ درانی صاحبہ کی رحلت کا سن کر بہت افسوس ہوا۔ محترمہ سے تعارف غائبانہ ہی رہا لیکن وقتاً فوقتاً بزم میں ان کی خدمات اور تحریک سے گہری وابستگی کے بارے میں گفتگو ہوتی رہتی تھی۔ خدا محترمہ کو اگلے سفر حیات میں مزید بلندیاں عطا فرمائے۔ آمین محمد عامر (نمائندہ بزم کراچی ڈی ایچ اے)

ڈاکٹر صاحبہ ایک عظیم اور انتہائی مخلص اور ملنسار انسان تھیں۔ اور ہاں بھولے بغیر عرض کر دوں کہ محترمہ بڑی ہنس مکھ بھی واقع ہوئی تھیں۔ عرصہ دراز سے صاحبِ فراش تھیں اور ملنے ملانے سے دور، لیکن چونکہ باحیات تھیں تو تحریک طلوعِ اسلام میں ان کی موجودگی اور بھاری بھرکم شخصیت کا رعب دبدبہ ہمارے ذہنوں میں قائم تھا۔ آج اچانک جب ان کی رحلت کی خبر ملی تو یکدم ہکا بکا رہ گیا اور ہاتھ ملنے کے سوا کچھ نہ کر سکا۔ کیا کہا جائے کہ یہی قانون قدرت ہے اور ہمارا سر تسلیمِ خم۔ لیکن خوشی بھی ہوئی کہ اپنے باباجی کی جماعت میں دوبارہ داخلہ پالیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری بہن کی مغفرت فرمائے آمین ثم آمین امجد محمود، راولپنڈی

آہ، ایک اور شمع قرآنی بجھ گئی!

واٹس ایپ پہ نمائندگان گروپ سے یہ دل خراش خبر ملی۔ کہ طلوع اسلام ٹرسٹ کی چیف پرسن (ایگزیکٹو) ڈاکٹر زاہدہ درانی اللہ تعالی کو پیاری ہوگئیں۔ موت کا قانون تو اٹل ہے۔ اس کے آگے کوئی عذر نہیں۔ محترمہ زاہدہ درانی انتہائی نفیس، شائستہ ہمدرد مخلص شخصیت تھی پرویز صاحب کی بکس اڈیو ویڈیو تمام ریکارڈز کی اشاعت اور انکی حفاظت کی ذمہ داری انھوں نے انتہائی احسن طریقے سے نبھائی یہ مرحومہ کی تحریک کے لیے بہت عظیم کنٹری بیوشن ہے جسے ہمیشہ یاد رکھا جائیگا۔ اللہ تعالی

ان کی انہی نیک کاوشوں اور مقاصد کے بدلے انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور انکے لواحقین کو صبر، ہمت استقامت اور حوصلہ دے۔

سلیم قمر (نمائندہ بزم پنج کسی خانیوال)

میرے لیے یہ خبر سوہانِ روح تھی۔ مَیں منتظر تھا کہ کوئی اس خبر کا کوئی انکار کر دے مگر شائد ہمیں اس خبر سے ہو کر گزرنا ہی تھا ورنہ ہر وہ شخص جو اس فانی دنیا میں آیا ہے اس نے جانا ہی ہے ڈاکٹر صاحبہ ایک عظیم خاتون تھیں جنہوں نے اپنی زندگی میں ہمیشہ اسلام کی خدمت کی اور دین کی سچائی کے لئے طلوع اسلام کی ٹرسٹی بن کر فکرِ پرویز کو سپورٹ کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس عمل کو بدلے سے نوازے۔

عقیل حیدر (نمائندہ بزم فیصل آباد)

Dr. Zahida Durani Sahiba and our sister in Eimaan was a far larger figure Possessing an eminent self than just a human being and her total willing dedication to the cause of Tolu-e-Islam will remain associated with the Quranic movement of Tolu-e-Islam. I personally had a number of opportunities to meet her, seek her advice on important issues e.g. translation of books lecture sharing, funding Tolu-e-Islam, Staff matters... she was very motivated and dedicated to the cause and always had the good in her heart and mind for this movement. After meeting her I came and we came out fully energised to do more and persist on this path of Deen. Though it is sad to deal with her absence, but we know this physical life has to end sooner of later. We will together continue our efforts to make the movenment for Deen as strong as possible. Her moral and material contributions will stay in our memory and with Tolu-e-Islam... Idara should publish a longer biographical note on her life in its next issue. We look farward to meeting her in the life of the hereafter...I will leave it there...with all my heartfelt appreciation and Salaam to her service to the cause of Allah.

Dr. Ejaz Rasool (Vice Chairman Idara)

We are deeply saddened by the demise of Dr. Zahida Durrani Sahiba. May Allah grant her the highest ranks in Jannah and reward her abundantly for her unwavering dedication and tireles efforts in serving the Tolu-e-Islam movement. Ameen.

Her contributions to the Tolu-e-Islam Trust, particularly after the passing of Parwez Saheb, will forever remain etched in our hearts. Her leadership and resilience during that pivotal time were truly invaluable. May her legacy continue to inspire and guide us in upholding the principles she cherished.

We pray Allah grants her family, loved ones, and all who mourn her loss immense patience, steadfast strength, and solace during this difficult time.

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

With heartfelt condolences,

Riffat Ali Khan (Numainda Bazm-e-Toronto)

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

Dr. Zahida Durrani was a wonderful person.

I and many others have beautiful memories of time spent with her which are like a treasure.

May Allah bless her soul and grant her highest ranks in Jannah.

Prof. Dr. Saliha Nagmi (Representative Bazm-e-Khaawateen Lahore)

ڈاکٹر زاہدہ درانی صاحبہ کی وفات کا سن کر انتہائی افسوس ہوا، ان کی علالت کی خبر تو کچھ عرصہ پہلے مجھے ملی تھی لیکن ان کے یوں جلد فوت ہونے کا سوچا نہ تھا۔ وہ بہت ہی سادہ طبیعت کی خاتون تھیں۔ میں نے انہیں انتہائی ملنسار اور مخلص پایا۔ میں جب کراچی میں مقیم تھا وہ جب بھی کراچی کسی کام سے آتیں تو مجھ سے ملاقات ضرور ہوتی وہ گھنٹوں بیٹھ کر قرآن، بابا جی ادارے اور ٹرسٹ پر روشنی ڈالتیں۔ محترمہ ڈاکٹر درانی صاحبہ کے بھائی خالد درانی میرے ہم جماعت ہیں ہم گورنمنٹ کالج میں اکٹھے تھے اگر کسی دوست کے پاس انکا contact ہو تو ضرور share کریں میں ان کے دکھ میں شامل ہونا چاہتا ہوں۔

خالد گل (سعودی عرب)

ہر وہ شخص جو اس فانی دنیا میں آیا ہے اس نے جانا ہی ہے۔

ڈاکٹر صاحبہ ایک عظیم خاتون تھیں جنہوں نے اپنی زندگی میں ہمیشہ اسلام کی خدمت کی اور دین کی سچائی کے لئے طلوع اسلام کی ٹرسٹی بن کر فکرِ پرویز کو سپورٹ کیا۔

اللہ تعالیٰ ان کے اس عمل کو بدلے سے نوازے۔ احمد نواز خان (نمائندہ بزم ایبٹ آباد)

پروفیسر ڈاکٹر زاہدہ درانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پرویز صاحب سے ایک ملاقات جو زندگی بدل گئی

(1982ء میں پاکستان ٹیلی وژن کی ویڈیو ریکارڈنگ کی تلخیص)

پرویز صاحب، جنہیں باباجی کہتی ہوں، کو عرصہ بائیس سال سے جانتی ہوں۔ اس سے پہلے بھی ان سے غائبانہ تعارف تھا۔ گھر میں طلوعِ اسلام کا ذکر ہوتا تھا، لیکن سٹوڈنٹ لائف کی مصروفیت کی وجہ سے کبھی ان سے مل نہیں سکی۔

کالج کے زمانے میں بے شمار خیالات دماغ میں اُٹھتے تھے، خاص طور پر مذہب کے متعلق، اور زندگی کے دوسرے مسائل کے متعلق ـــــ اور ان کا صحیح جواب دینے والا کوئی نہیں ملتا تھا۔ پوچھنے پر اکثر جواب یہی ملتا تھا کہ مذہب تو بلائنڈ فیتھ (Blind Faith) ہے، اس کو ایسے ہی فالو کرنا چاہیے۔ اس میں ''کیوں'' نہیں پوچھتے اور کوئی سوال نہیں کرتے؟ اس کو بس ''بلاسوچے سمجھے اتباع'' کرتے ہیں۔ بس جو کہا جاتا ہے، اس ہی پہ عمل کرتے ہیں۔

ایسی باتوں سے انسان کا ذہن مذہب سے اکثر بیزار سا ہو جاتا ہے۔ کچھ یہی حالت میری تھی، اور دماغ میں بہت سے باغیانہ خیالات اور سوالات اور کچھ اپنے پرسنل مسائل لے کر، پھر ایک دن باباجی کے پاس پہنچ گئی۔

انہوں نے بہترین طریقے سے ہر بات کا جواب دیا ـــــ دلیل کے ساتھ، ریزننگ کے ساتھ۔ اُن سے پہلی نشست نے ہی اتنا متاثر کر دیا کہ پھر میں ان کے دروس میں باقاعدگی سے شامل ہوتی رہی۔ ان سے پرسنل اور ذاتی طور پر یعنی براہِ راست قرآن پڑھتی رہی، کافی عرصہ تک۔ اس کے بعد پھر انگلینڈ، امریکہ چلی گئی، تو وہاں سے بھی میں ان سے راہنمائی لیتی رہی۔

وہ میرے لیے ایک استاد، ایک گائیڈ، اور ایک مشفق باپ کی حیثیت رکھتے ہیں، اور زندگی کے بے شمار مسائل کے سلسلے میں، مَیں ان سے ہمیشہ گائیڈنس لیتی رہی ہوں۔

زندگی میں بہت سے ٹیچرز سے واسطہ پڑا ہے ـــــ یہاں بھی، اور انگلینڈ، امریکہ میں بھی۔ خود بھی میڈیکل ٹیچنگ لائن سے منسلک ہوں، اور بہت سے اچھے اچھے ٹیچرز کو دیکھا ہے، لیکن باباجی کی طرح کا ٹیچر کوئی نہیں ملا۔

ان کی منفرد خصوصیت یہ ہے کہ وہ کسی کی حوصلہ شکنی نہیں کرتے۔ ہر بات کا بہت تفصیل کے ساتھ، قرآن کی روشنی میں جواب دیتے ہیں۔ کوئی چھوٹا بچہ ہو یا بڑا، سکالر انسان ہو یا سادہ لوح آدمی، ہر ایک کو پوری طرح توجہ دے کر سمجھاتے ہیں۔ جب تک وہ ذہنی طور پر مطمئن نہ ہو جائے، تب تک ان کو ٹائم دیتے رہتے ہیں۔

قرآن کی روشنی میں، عقل و فکر کے ساتھ مسائل کو سلجھاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے بے شمار نوجوان اور اعلیٰ تعلیم یافتہ اپنے

مسائل لے کر پرویز صاحب کے پاس آتے ہیں، اور اس کا جواب قرآن کی روشنی میں حاصل کرتے ہیں۔

بابا جی کی گھریلو زندگی کو بھی بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ ان کی فیملی کے ساتھ بھی واسطہ پڑتا رہتا ہے، ان کی گھریلو زندگی بہت سادہ ہے۔

ان کی زندگی کا مشن ہی صرف یہ ہے کہ قرآن، قرآنی فکر کو زیادہ سے زیادہ لوگوں کو پہنچایا جائے، بغیر کسی دنیاوی معاوضہ اور صلہ کے حتیٰ کہ وہ شکریہ تک کے متمنی نہیں ہوتے۔

مجھے یاد ہے، پہلی دفعہ جب ان کے پاس آئی تو مجھے بالکل ایسے لگا کہ جیسے میں ان کا ٹائم، بہت قیمتی ٹائم لے رہی ہوں۔ کئی کئی گھنٹے باتیں کیں، اور انہوں نے اطمینان سکون سے ہر بات سمجھائی۔ میں نے ان سے پوچھا کہ، ''آپ کی فیس کیا ہے؟'' مجھے ایسے لگا کہ یہ ٹیچر ہیں، مجھے اتنا زیادہ ٹائم دیا ہے، اتنا کچھ انہوں نے مجھے سمجھایا ہے، تو مجھے اس کی فیس دینی چاہیے۔

تو وہ بات اب سوچ کے ذرا شرم بھی آتی ہے اور حیرانی بھی ہوتی ہے کہ ایسا بلند انسان جس کو تو شکریہ کی بھی پرواہ نہیں ہے—— تو ان سے میں نے ایسی بات ہی کیوں کی؟

بابا جی اس دَور کی بہت ہی عظیم شخصیت ہیں۔ ان کی طرح علم کی وسعت کا حامل، قرآنی فکر کا ماہر انسان میں نے تو نہیں آج تک کوئی دیکھا۔

وہ بہت بلند پایہ سکالر، فلاسفر بھی ہیں اور بے حد پریکٹیکل انسان بھی۔ جذباتی نہیں ہوتے بلکہ ہر پرابلم اور ہر مسئلے کو، بہت توازن سے ڈسکس کرتے ہیں، بڑی تفصیل کے ساتھ۔

اور چونکہ اُن کی فکر کا محور، قرآن ہوتا ہے، تو فطری طور پر اس کا جو حل ہے، وہ صحیح ہوتا ہے۔ بہت بار کسی پریشانی کو سمجھتے ہیں کہ وہ پہاڑ جیسی ہیں، اور جا کے بابا جی کو بتاتی ہوں—— ''بابا جی! آج تو یہ یہ ہو گیا''، کسی مریض کے ساتھ، یا زندگی کے اس اہم معاملہ میں۔ وہ ایسے سادہ انداز میں معاملے کا تجزیہ کر دیتے ہیں کہ وہ بات کچھ لگتی ہی نہیں۔ اس کا حل خود بخود سامنے آجاتا ہے اور اپنا ذہن صاف ہو جاتا ہے۔

پرویز صاحب کی عظمت کو بیان کرنے کے لیے میرے پاس تو الفاظ نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ انہیں صحت سے رکھے اور ان کا جو مشن ہے وہ ہر حق کے متلاشی تک پہنچے۔ آمین

(تلخیص و تحریر: حسین قیصرانی)

ڈاکٹر زاہدہ درانی، لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

دولت کی پیدا کردہ بیماریاں

غریبی اپنے ساتھ جو مصیبتیں لاتی ہے اس کا اندازہ ہر قلبِ حساس بآسانی کرسکتا ہے۔لیکن ایک غلط معاشرہ میں دولت کی فراوانی جس قسم کی تباہیاں لاتی ہے، اس کا تصور عام طور پر نہیں کیا جاسکتا۔ان تباہیوں کا ایک گوشہ وہ ہے جس کا اندازہ مجھے بہ حیثیت ایک لیڈی ڈاکٹر کے ہوا۔اور انہی کی ایک خفیف سی جھلک میں اس وقت آپ کو دکھانا چاہتی ہوں۔ جہاں تک بیماری اور اس کے علاج کا تعلق ہے۔غریبی کی پیدا کردہ مصیبت ایک ہی نوعیت کی ہوتی ہے۔مثلاً یہ کہ ایک غریب بیوہ اپنی اکلوتی بیٹی کو لے کر آتی ہے جو ایک خطرناک اور مہلک بیماری کا شکار ہے۔میں اسے دوائی لکھ کر دیتی ہوں میں کوشش کرتی ہوں کہ حتیٰ الامکان دوائی سستی ہو۔وہ نسخہ ہاتھ میں لیکر پوچھتی ہے کہ ڈاکٹر صاحبہ یہ دوائی بازار سے کتنی قیمت میں ملے گی؟ میں کہتی ہوں، بیس روپے میں مل جائے گی۔''بیس روپے'' سُن کر اس کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ۔اس کے ہونٹوں کی تھرتھراہٹ اور اس کی آنکھوں کی نمی، اس کے دل کی ساری کہانی اس کے ماتھے پر لکھ دیتی ہے۔اور جب یہ دیکھ کر میری آنکھیں بھی نم آلود ہوجاتی ہیں، تو اُس کے ضبط کئے ہوئے آنسو، ٹپ ٹپ گرنے لگ جاتے ہیں اور اس کے بعد، وہ دِل کی ساری بات زبان پر لے آتی ہے۔

لیکن دولت کی فراوانی ___ یعنی ایک غلط معاشرہ میں دولت کی فراوانی جس قسم کے امراض پیدا کرتی ہے، اس کی نوعیتیں بھی بے شمار ہیں اور ان کی تہہ تک پہنچنا بھی آسان نہیں ہوتا۔مثلاً بالکل نئے ماڈل کی ایک بڑی سی کار کلینک کے دروازے پر آکر رکتی ہے اور بڑے قیمتی لباس میں ملبوس ایک خاتون اس میں سے نکل کر اندر آجاتی ہے۔اس پر عجیب قسم کی بے چینی اور اضطراب کی کیفیت ہوتی ہے آتے ہی کہتی ہے کہ ڈاکٹر صاحبہ! مجھے سخت تکلیف ہے۔اس لئے پہلے مجھے دیکھ لیجئے۔لیکن میرے مرض کی تفصیل بہت لمبی ہے۔اس کے لئے آپ کو کافی وقت دینا ہوگا۔اس کے بعد شکایات کی تفصیل کچھ اس طرح شروع ہوتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب! صبح اٹھتی ہوں تو سارا جسم چُور چور ہوتا ہے۔آنکھ کھل جاتی ہے لیکن بستر سے اٹھنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ بصد مشکل اٹھتی ہوں تو چکر آجاتا ہے، پھر بیٹھ جاتی ہوں۔ مجھے بلڈ پریشر ہے ناں! دو قدم چلتی ہوں تو دل دھڑکنے لگ جاتا ہے۔ملازم ناشتے کے لئے آوازوں پر آوازیں دیتا ہے لیکن مجھے کوئی طلب نہیں ہوتی۔کل ایک انڈہ کھالیا تھا، سارا دِن انتڑیوں میں درد رہا مجھے ایسا نظر آتا ہے کہ میں زیادہ دن جی نہیں سکوں گی۔لیکن میں سوچتی ہوں کہ پھر میری بچی کا کیا ہوگا۔نہیں ڈاکٹر صاحبہ! میں اپنی بچی کو نہیں چھوڑ سکتی۔کوئی اسے مجھ سے چھین کر نہیں لے جاسکتا۔ مجھے ___ ڈاکٹر صاحبہ بھوک بالکل نہیں لگتی۔ ہر وقت بخار رہتا ہے۔ چھ برس ہوگئے علاج کرتے، کہیں کوئی فائدہ نہیں ہوا۔فلاں ڈاکٹر سے علاج کیا اور فلاں سے کیا (اس کے بعد وہ شہر کے تمام بڑے بڑے ڈاکٹروں کے نام گنادیں گی) کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ مجھ سے کہتے تھے تمہیں کوئی بیماری ہی نہیں۔ پاگل کہیں گے! کوئی کہتا تھا آپ کے اعصاب کمزور ہیں۔ دیکھئے ڈاکٹر صاحبہ! بھلا میرے اعصاب بھی کمزور ہوسکتے ہیں؟ بس ڈاکٹر صاحب! مجھے ایک ہی تکلیف ہے۔ مجھے نیند نہیں آتی۔آدھی رات تک جاگتی رہتی ہوں، اور سوچتی رہتی ہوں۔معلوم نہیں کیا سوچتی رہتی ہوں۔تنگ آجاتی ہوں تو خواب آور گولی کھالیتی ہوں۔بس یہ ایک دوائی ہے جو مجھے راس آئی ہے اور کسی دوائی سے کچھ فائدہ نہیں ہوا۔

میں معائنہ شروع کر دیتی ہوں، اور ہزار کہوں ذرا خاموش رہئے، لیکن وہ اپنی کہانی بدستور جاری رکھتی ہیں۔ معائنہ کے بعد میں دیکھتی ہوں کہ جتنی شکایتیں انہوں نے بتائی ہیں، ان میں سے انہیں کوئی شکایت نہیں۔ ذرا سی اعصابی کمزوری ہے۔ اس کے لئے میں دوائی تجویز کرتی ہوں تو سوال ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب! یہ دوائی کتنے کی آئے گی؟ آپ کو یاد ہے کہ یہی سوال اس غریب بڑھیا نے بھی کیا تھا! مَیں کہتی ہوں کہ یہی کوئی بیس تیس روپے کی آجائے گی۔ بیس تیس روپے کی؟ ڈاکٹر صاحبہ! اس دوائی سے بھلا مجھے کیا فائدہ ہوگا؟ میں نے پانچ پانچ سو روپے فی شیشی والی دوائیاں بھی کھائی ہیں۔ آپ مہربانی کر کے کوئی کام کی دوائی لکھ کر دیجئے۔ کام کی دوائی سے مراد ہوتی ہے زیادہ سے زیادہ قیمتی دوائی۔ آپ انہیں کوئی دوائی لکھ کر دیجئے۔ وہ زیادہ سے زیادہ ایک دو دن کھائیں گے۔ پھر یا تو کسی اور قیمتی دوائی کا مطالبہ کریں گی یا کسی اور ڈاکٹر کی طرف چلی جائیں گی۔ ان کے گھر جایئے تو الماریاں، ہسپتال دکھائی دیں گی۔ سب دوائیوں سے بھری ہوئی۔ کسی شیشی میں سے دو گولیاں کھائی ہوئی کسی میں سے چار۔ ان کی یہ کیفیت عمر بھر رہتی ہے۔ اگر ڈاکٹر کی نگاہ ذرا بھی سائیکالوجی پر ہے تو وہ دو چار نشستوں میں اندازہ لگا لے گی کہ مرض کا سرچشمہ کہاں ہے ــــــ میں نے جو کچھ کہا ہے وہ کسی خاص مریضہ کی کیفیت نہیں۔ وہ ہمارے اوپر کے طبقہ کا عمومی نقشہ ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ان میں ایسی خواتین بھی ہوتی ہیں جنہیں سچ مچ کوئی شکایت ہوتی ہے لیکن بیشتر ایسی ہوتی ہیں جنہیں طبعی شکایت کوئی نہیں ہوتی۔ ان کا مرض نفسیاتی ہوتا ہے اور پیدا کردہ ہوتا ہے ہمارے غلط معاشرے کا۔ ان کا جسم بیمار نہیں ہوتا۔ دل بیمار ہوتا ہے وہ دل نہیں جس کی دھڑکن اسٹیتھو سکوپ سے سنی جاتی ہے۔ بلکہ وہ دل جو انسانی خیالات کا سرچشمہ ہوتا ہے۔ اس دل کی بیماری میں ان کا اپنا قصور زیادہ نہیں ہوتا۔ جب ساری فضا نفسیاتی امراض پیدا کرنے والے جراثیم سے بھرپور ہو تو افراد کے لئے ان سے بچنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ ان کے سامنے زندگی کا کوئی بلند نصب العین نہیں ہوتا۔ جن کھلونوں کو مقصودِ زندگی سمجھا جاتا ہے، ان سے چند دنوں کے بعد طبیعت بھر جاتی ہے۔ اس کے بعد ان کی زندگی میں خلا پیدا ہو جاتا ہے جسے پُر کرنے کے لئے یہ لوگ ہر طرف مارے مارے پھرتے ہیں، لیکن چونکہ اس کا علم نہیں ہوتا کہ وہ کونسی چیز کھو گئی ہے جسے پُر کرنے کے لیے یہ لوگ ہر طرف مارے مارے پھرتے ہیں، لیکن چونکہ اس کا علم نہیں ہوتا کہ وہ کونسی چیز کھو گئی ہے جسے ہم ڈھونڈ رہے ہیں، اس لئے وہ شے انہیں ملتی ہی نہیں جس سے اُن کی زندگی کا خلا پُر ہو سکے۔ یہ ہے وہ ناکام جستجو جس سے یہ اس قسم کے نفسیاتی اوہام کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس کا علاج اس کے سوا کچھ نہیں کہ انہیں انسانی زندگی کا مقصد سمجھایا جائے اور ان کے سامنے وہ نصب العین حیات رکھ دیا جائے جس کے حصول کی کوشش میں انسانی قلب کو سچی راحت ملتی ہے۔ سائیکوتھراپی کے مشہور ماہر ڈاکٹر ینگ نے کہا تھا:

> ''میں نے اپنی زندگی کے نصفِ آخر میں جس قدر مریضوں کا تجزیہ کیا ان میں سے ہر ایک کی بیماری کی وجہ یہ تھی کہ اس نے اس شئے کو ضائع کر دیا تھا جو ''زندہ مذہب'' انسان کو مہیا کرتا ہے۔ ان کا علاج اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ انہیں پھر سے وہی شے دے دی جاتی جو ان سے گم ہو چکی تھی۔ یہی ان کی دوا تھی۔''

یہ شے قرآن کے علاوہ اور کہیں سے نہیں مل سکتی۔ میں نے اس کا تجربہ کیا ہے جس سے یہ حقیقت واضح ہو کر میرے سامنے آئی ہے کہ خدا کا یہ ابدی نسخہ کس طرح ''رَبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ'' یعنی دل کی بیماریوں کا علاج ہے یہی وہ نسخہ ہے جس پر آج سے ڈیڑھ ہزار سال پہلے حجاز کے ہسپتال میں عمل کیا گیا تھا اور جس سے انسانیت کے سب روگ دُور ہو گئے تھے۔ اسی نسخہ سے آج ہمارے معاشرہ کی بیماریوں کا بھی علاج ہو سکتا ہے۔ (مطبوعہ طلوعِ اسلام، ستمبر 1990ء)

علامہ غلام احمد پرویز علیہ الرحمۃ

بادۂ زندگی[1]

طلوعِ اسلام کی پہلی کنونشن، منعقدہ لاہور
15 تا 19 نومبر 1956ء
(روئیداد مطبوعہ طلوعِ اسلام، دسمبر 1958ء)

طائرِ پیش رس

مغربی پاکستان کے تاریخی شہر اور دارالسلطنت لاہور میں طلوع اسلام کنونشن کا انعقاد پاکستان کی تاریخ میں قُرآنی فکر ونظر کی اجتماعی تنظیم کا پہلا شہ نشان تھا، اور بزم طلوعِ اسلام لاہور کی طرف سے جب اس مؤتمر کی تجویز منظر عام پر آئی تو ملک کے طول وعرض سے ان تمام حلقوں نے اس کا پُرجوش اور والہانہ خیر مقدم کیا جو کاروانِ ملت کو قرآنی تصورات کی روشنی میں منزلِ مقصود کی جانب رواں دواں دیکھنے کے آرزومند تھے۔ اس خوش آئند تجویز کے منظرِ عام پر آتے ہی بزمِ طلوع اسلام کے دفتر میں خطوں اور تاروں کا تانتا بندھ گیا اور سب نے محسوس کیا کہ ان کی دینی آرزوؤں اور اُمنگوں کی تشکیل کی ساعتِ سعید قریب آ گئی۔

''طلوع اسلام'' کی مسلسل تین اشاعتوں میں کنوینشن کے اغراض ومقاصد، اس کا پروگرام اور ضروری تجاویز ملک کے گوشہ گوشہ تک پہنچا دی گئیں۔ ان وضاحتوں کی روشنی میں ملک کی بزمہائے طلوع اسلام نے اپنے اپنے مندوبین، مبصرین اور تجاویز کی ترسیل سے ''بزم طلوع اسلام لاہور'' سے رابطہ پیدا کر لیا۔ کنوینشن کی تاریخوں کا انتظار عید کے چاند کی طرح شدت اختیار کر گیا۔ اور لاہور میں مندوبین اور مبصرین کی روانگی کی اطلاعات موصول ہونے لگیں۔

14 نومبر کی دوپہر کو تیزگام سے محترم پرویزؔ صاحب کی قیادت میں ''ادارہ طلوع اسلام'' کے پہلے قافلے کی آمد آمد تھی۔ بزمِ طلوع اسلام لاہور کی مجلسِ عاملہ اور مختلف مکاتبِ فکر کے ممتاز زعماء نے لاہور ریلوے اسٹیشن پر ان کا شایانِ شان خیر مقدم کیا اور دارالقُرآن شالامار ٹاؤن میں (جہاں کنونشن منعقد ہو رہی تھی) ان کے پہنچتے ہی کنوینشن کی سرگرمیاں تیز ہو گئیں۔

دارالقرآن کے وسیع سبزہ زار میں کنونشن کے پنڈال اور مہمان کیمپ کے انتظامات جاری تھے۔ بزم کے رضا کاروں

[1] خیز و بخاک تشنۂ بادۂ زندگی فشاں

نے ساری رات اس سلسلہ میں اپنا کام جاری رکھا اور 15 نومبر کی صبح کو جب فجر کی اذانیں گونج رہی تھیں، رضا کاروں کی سرتوڑ جدوجہد اس سبزہ زار میں ایک خوبصورت پنڈال، مہمان کیمپ اور قیام وطعام کے متعلقہ انتظامات کی تکمیل کر چکی تھی۔

15 نومبر کی صبح کو طلوعِ آفتاب کے ساتھ ہی کنونشن کے مندوبین اور مبصرین کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اور رات کے نو بجے تک جبکہ کنونشن کا پہلا اجلاس شروع ہو رہا تھا، کراچی سے پشاور اور آزاد کشمیر تک کے مندوبین اور مبصرین کی آمد برابر جاری تھی۔ شمعِ قرآنی کے ان پروانوں میں بڑے بڑے انجینئر بھی تھے اور پروفیسر بھی۔ ڈاکٹر بھی تھے اور ایڈووکیٹ بھی۔ رہ ورسمِ خانقاہی کی مسندوں سے دل برداشتہ سابق گدی نشین اور پیر بھی تھے اور مُلّا ازم کے منبروں کے اعزاز سے روگرداں 'مولانا' بھی۔ یہی نہیں! بلکہ ان میں شہروں کے مخلص مزدور بھی تھے اور دیہات کے پاکیزہ فطرت اور ایثار پیشہ زمیندار اور کسان بھی۔ ان میں کوٹ پتلون والے دردمند ''صاحب بہادر'' بھی تھے اور صاحبِ عزم تہمد پوش بھی۔ ان سب کے دلوں میں قرآنی فکر کی شمعیں جگمگا رہی تھیں۔ اور ان کی روحیں اخوت اور ربوبیت عامہ کی والہانہ تڑپ اور خلش سے مالا مال تھیں۔ باہمی ربط وضبط کی مخلصانہ کشش انہیں ایک لازوال رشتے میں ہم آویز کئے جا رہی تھی۔ اور اپنی اجتماعی زندگی کے اس پہلے ہی روز وہ دل کی گہرائیوں سے یہ محسوس کر رہے تھے کہ دارالقرآن کی اثر انگیز فضا میں وہ گویا مدتوں سے ایک ہی بستی کے باشندے اور ایک ہی خاندان کے افراد ہیں۔ ان کا رشتہ چولی اور دامن کا رشتہ ہے اور یہ رفاقت زندگی اور موت تک کی رفاقت ہے۔ رات کے اِس اولین اجتماع میں ان کی مجلس پر ستاروں کی انجمن کا گمان ہو رہا تھا اور سرزمینِ پاکستان پر یہ انوکھی انجمن قرآنی نظام کی طلوعِ سحر کے جنوں میں سرشار ہوئی جا رہی تھی۔

پہلی نشست

کنونشن کا پہلا اجلاس باہمی تعارف کے سلسلہ میں تھا۔ اور کتنا دل نواز تھا وہ منظر جب باری باری تمام مندوبین اور مبصرین اپنے ذاتی تعارف سے ساتھ ''طلوع اسلام'' کی کشتِ نو بہار کی روئیداد بیان کر رہے تھے۔ وہ کشتِ نو بہار جسے انہوں نے سنگلاخ زمینوں میں اپنے خونِ جگر سے سینچا تھا۔ رات کے گیارہ بجے یہ اجلاس، امیدوں اور آرزوؤں کے اُبھرے ہوئے ولولوں میں اختتام پذیر ہو گیا۔

دوسری نشست

16 نومبر کی صبح کو کنونشن کی دوسری نشست ٹھیک آٹھ بجے صبح شروع ہوئی۔ تلاوت کلامِ پاک کے بعد سوز وگداز میں ڈوبی ہوئی لَے ایوان کی پرسکون فضا میں گونجی۔ اس کے بعد کلام اقبال کے اس ترانے

لا پھر اِک بار وہی بادہ وجام اے ساقی ہاتھ آجائے مجھے میرا مقام اے ساقی

سے ایوان میں تاثر کا ایک سماں بندھ گیا اور ساقی کے حضور میں اقبال کی یہ فریاد حاضرین کے دِلوں کی پکار بن بن کر گونجی: اور پھر جب آخر میں یہ کہا گیا کہ ___

تو مری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ تیرے پیمانے میں ہے ماہِ تمام اے ساقی

تو دِلوں کے سوز و گداز کی کیفیت نہ پوچھئے۔

رپورٹ ادارہ طلوعِ اسلام:

اس کے بعد ناظمِ ادارہ نے' ادارہ کی اٹھارہ سالہ جدوجہد کا اجمالی خاکہ پیش کیا۔ یہ خاکہ طلوع اسلام کے ارتقائی سفر کی مختصر داستان بھی تھا اور قرآن کی فکری و نظری اشاعت و تبلیغ کی مجمل تاریخ بھی۔۔انہوں نے آغازِ سفر کے تیس سال قبل کے وہ ایام یاد دلائے جب شملہ کے صندل ہال میں سیکرٹیریٹ کی مسجد میں پرویزؔ صاحب نے تند و تیز ہوا میں قرآنی فکر کی قندیل پہلے پہل روشن کی اور پھر بالترتیب بتایا کہ کس طرح یہ مردِ درویش نامساعد حالات کی ظلمتوں میں عزم و ہمت کے ساتھ اس شمع نور بیز کو لے کر صراطِ مستقیم پر بڑھتا چلا گیا۔ تحریکِ پاکستان کی شمشیر و سپر بن کر اس نے کس قلندرانہ جرات سے متحدہ قومیت کے سومنات کو پاش پاش کیا۔ کانگریس کے زرخرید ملاؤں کے جبہ و دستار کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں اور تحریکِ پاکستان کی شاہراہ پر شمعِ قرآنی ہاتھ میں لے کر محترم قائداعظمؒ کے ساتھ دوش بدوش آگے بڑھتا گیا۔

انہوں نے اس کی بھی وضاحت کی کہ اسلامی تصورات کی مردانہ وار حفاظت کیساتھ ''طلوع اسلام'' پے در پے مالی خساروں کا شکار رہا اور پرویزؔ صاحب کی جانِ ناتواں انتہائی عزم اور فراخ دِلی کے ساتھ ان خساروں کا بارِ گراں برداشت کرتی چلی گئی۔ ''طلوع اسلام'' نے 1938ء میں صحافت کے خارزار میں اپنا پہلا قدم رکھا۔ اور آج کے دن تک وہ کہیں سے مالی امداد حاصل یا قبول کئے بغیر ملت کی کانٹوں بھری راہ صاف کرتا قرآنی فکر کی ضوفشانیوں سے ذہنی تاریکیوں کو جگمگاتے رواں دواں منزلِ مقصود کی جانب بڑھا جا رہا ہے۔ اس نے ''مذہب'' کی بجائے مسلمانوں کو از سرِ نو ''دین'' کی طرف بلایا۔ اس نے خدا کے کلیسائی تصور کی بیخ کنی کی۔ اس نے ''آدمی'' کو ''انسان'' بننے کی دعوت دی۔ قانونِ مکافات کے اثرات و نتائج کا تسلسل نمایاں کیا۔ زندگی کی ابدی و ازلی حقیقتوں کی نقاب کشائی کی۔ مقامِ محمدی ﷺ کا قرآنی تصور واضح کیا اور اس کے ساتھ ساتھ اس نے قرآنی اصطلاحات کے مفہوم بھی متعین کئے۔

.....☆.....

پرویزؔ صاحب کا انقلاب آفریں خطاب:

اس رپورٹ کے بعد محترم پرویزؔ صاحب مائک پر تشریف لائے۔ پروگرام کے مطابق انہوں نے ''بادہء زندگی'' کے عنوان سے اپنا اہم خطاب اس اجلاس میں پیش کرنا تھا۔ چنانچہ اسٹیج پر نگہ انتظار کے لئے صبح امید کی جگمگاتی ہوئی کرن بن کر نمودار ہوئے۔ اپنے مخصوص حسنِ بیان سے ''بادہء زندگی'' کے ساغر لنڈھاتے تشکیلِ نظامِ قرآنی کے عملی کوائف اور ممکناتِ زندگی کے چہرے سے ایک ایک نقاب سرکاتے چلے گئے۔ ان کے عزائم کا پیچ و تاب' سوز و گداز کی گہرائیوں میں ڈوب ڈوب کر ابھر رہا تھا اور ان کے زورِ خطابت کی حقیقت کشائیاں اُن اندھیری راہوں میں فکرِ قرآنی کا نور بکھیرتی جا رہی تھیں جو صدیوں سے کاروانِ ملت کے ذوقِ سفر کے لئے سراپا انتظار بنی جا رہی ہیں۔

دینِ حق کے مفکرِ جلیل پرویزؒ کی خوش نصیبیاں نہ پوچھئے۔ اُس نے ذہنوں کی سنگلاخ زمینوں میں مسلسل تیس برس تک قرآنی تصورات کے بیج بوئے۔ شب و روز انہیں خونِ جگر سے سینچا۔ تیس برس کے بعد اب بتدریج کونپلیں پھوٹ رہی ہیں۔ نہیں! بلکہ فکر و نظر کی یہ نرم و نازک کونپلیں اب لہلہاتی ہوئی کشتِ نو بہار میں تبدیل ہو رہی تھیں۔ کنونشن کی ایوان ایک ایک ذرہ انہیں صبح بہار کی نمود کی نوید جانفزا سنا رہا تھا۔ چنانچہ مائک کے سامنے آتے ہی اُن کی آواز اس سرور انگیز تصور سے تھرتھرانے لگی۔ ان کی آرزوں کا سوز و ساز اشک بن کر آنکھوں سے بہنے لگا۔ انہوں نے چند ہی لمحوں میں حاضرین پر ایک سحر طاری کر دیا اور جب تک ان کا خطاب جاری رہا، سب کی آنکھیں بار بار آنسوؤں سے تر بتر ہوئیں۔ وہ خطاب یہ تھا۔

بادۂ زندگی

خطاب بہ رُفقائے سفر

خاکِ ما خیز د کہ سازد آسمانے دیگرے ذرہء نا چیز و تعمیر بیابانے نگر

برادرانِ عزیز! السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

آج کا اجتماع کس قدر مبارک و مسعود ہے جس میں پاکستان کے دور دراز گوشوں کے احباب، سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے، محض اس مقصد کے لئے یکجا جمع ہوئے ہیں کہ وہ سوچیں کہ خدا کے اس پیغام کو زیادہ سے زیادہ انسانوں تک پہنچانے کے لئے کیا تدابیر عمل میں لائی جائیں جس کے اتباع میں نوعِ انسان کی فلاح و سعادت کا راز مضمر ہے اور جو شرفِ انسانیت کی تکمیل کا واحد اور مکمل ضابطۂ حیات ہے۔

آں کتابِ زندہ، قرآن حکیم حکمتِ اُولا یزال است وقدیم
نسخۂ اسرارِ تکوینِ حیات بے ثبات از قوتش گیرد ثبات
نوعِ انسان را پیامِ آخریں! حاملِ اُو رحمۃ للعالمینؐ

اور جمع بھی قرآن ہی کے اس طریق کے مطابق ہوئے ہیں جو اس نے تقسیمِ کار کے محکم اصول کی رُو سے ایسے امور کے لئے تجویز کر رکھا ہے اور جس میں کہا گیا ہے کہ: فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿١٢٢﴾ (9:122) کہ ہر مقام کی جماعت سے چند افراد تفقہ فی الدین کے لئے مرکزی مقام میں آئیں اور جو کچھ وہاں سے سیکھیں واپس جا کر باقی ماندہ افراد جماعت کو اس سے آگاہ کریں تاکہ اس طرح یہ تمام افراد زندگی کی خطرناک راہوں سے بچ کر چلیں۔ یہ اجتماع درحقیقت میری زندگی کے دیرینہ خوابوں کے ایک منظر کی تعبیر ہے جسے میں اس شگفتہ و شاداب محفل کی شکل میں اپنے سامنے دیکھ رہا ہوں جس کا ہر گوشہ غالبؔ کے الفاظ میں

دامانِ باغبان و کفِ گلفروش ہے

حیرت انگیز تبدیلی:

جب میں نے آج سے بیس پچیس سال اُدھر، پہلے پہلے قرآن کی طرف دعوت دی ہے تو میری آواز' ذہنی جمود و تعطل کی برفانی سلوں سے ٹکرا کر یکسر ناکام و نامراد واپس آ جاتی تھی۔ ہر چند میرا ایمان تھا کہ حق و صداقت کی کوئی آواز صدا بصحرا نہیں رہا کرتی۔ مجھے اس کی توقع کبھی نہیں ہوتی تھی کہ میری مختصر سی زندگی میں ایسا انقلاب واقع ہو جائے گا کہ ملک کے گوشے گوشے سے اس کی صدائے بازگشت اُبھرنی شروع ہو جائے گی اور یہ فضا قرآن کے نغماتِ جانفزا سے اس طرح معمور ہو جائے گی۔ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ (10:58) یہ سب اس مبداء فیض کی کرم گستری کا تصدق ہے جس کا قانونِ مکافات ایک ننھے سے بیج کو سرسبز و شاداب تناور درخت میں یوں تبدیل کر دیتا ہے۔ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ (48:29) جیسے جب شگوفہ پھوٹتا ہے تو اس کی پہلی کونپل بڑی نرم و نازک ہوتی ہے پھر وہ طاقت پکڑ کر ذرا مضبوط ہو جاتی ہے، پھر اور مضبوط۔ پھر جب اُس کے خوشوں میں دانے پڑنے کا وقت آ جاتا ہے تو وہ اپنی نال پر محکم و استوار طریق سے کھڑی ہو جاتی ہے۔ کاشتکار جب اپنی محنت کو اس طرح ثمر بار ہوتے دیکھتا ہے تو اس کا دل باغ باغ ہو جاتا ہے لیکن یہی چیز اس کھیتی کے مخالفین کے سینے پر سانپ بن کر لوٹ جانے کا سبب بن جاتی ہے۔

آپ کو یہ سن کر حیرت و مسرت ہوگی کہ یہ آواز پاکستان کی چار دیواری تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ یورپ اور امریکہ تک بھی پہنچ چکی ہے۔ چنانچہ ان ممالک کے ایسے ریسرچ اسکالرز جنہیں اسلامیات سے دِلچسپی ہوتی ہے، قرآنی فکر و نظام سے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے اکثر میرے پاس آتے رہتے ہیں۔ فضا کی یہی وہ سازگاری ہے جس سے میرے حوصلے بلند اور ہمتیں جوان ہو جاتی ہیں اور اس کی امید بندھ جاتی ہے کہ شاید میری یہ آرزو بھی پوری ہو جائے کہ میں مرنے سے پہلے، دنیا کے کسی ایک گوشے میں ہی سہی' اس قرآنی نظام کی ایک جھلک دیکھ لوں جسے آج سے چودہ سو سال پہلے آسمان کی آنکھوں نے ایک بار خطۂ حجاز میں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ (48:29) (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے مقدس ہاتھوں سے متشکل دیکھا تھا اور جسے دوبارہ دیکھنے کے لئے وہ آج تک حیران و سرگرداں ہے۔

کتنی حسین ہے یہ تمنا اور کس قدر تابناک ہے یہ آرزو کہ جس کے تصور سے ذہنِ انسانی کا یہ عالم ہے کہ

موجۂ گل سے چراغاں ہے گزر گاہِ خیال

سوچئے کہ جس جانِ بہار کے تصور سے نور و نکہت کی ضیاء پاشیوں اور عنبر فشانیوں کا یہ عالم ہو وہ اگر کہیں لباسِ مجاز میں وجۂ شادابیٔ قلب و نظر بن جائے تو کائنات کے اس اُجڑے ہوئے بہشت کا نقشہ کیا سے کیا ہو جائے۔

اے ظہورِ تو شبابِ زندگی — جلوہ ات تعبیر خوابِ زندگی
باز تسکینِ دلِ ناشاد شو — باز اندر سینہ ہا آباد شو
باز در عالم بیار ایام صلح — جنگ جویاں رابدہ پیغام صلح

شورشِ اقوام را خاموش کن نغمہء خود را بہشتِ گوش کن
باز ایں اوراق راشیرازہ کن باز آئینِ محبت تازہ کن
سجدہ ہائے طفلک وبرنا و پیر ازجبینِ شرمسارِ ما بگیر!

اگر مرنے سے پہلے اُس نظامِ عالمتاب کی ایک جھلک کہیں نظر آ جائے تو کس فخر و مسرت سے آسمان سے کہا جا سکے کہ

دیدۂ آغازم۔ انجامم نگر

وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا (33:19)

❁❁❁❁❁

ایک تعجب انگیز حقیقت:

برادرانِ گرامی قدر! انگریزی میں کہا کرتے ہیں (TRUTH IS STRANGER THAN FICTION) یعنی بعض حقیقتیں افسانوں سے بھی زیادہ تعجب انگیز ہوتی ہے۔ آپ کسی اجنبی سے کہئے کہ ایک قوم ہے جس کا یہ ایمان ہے (یعنی محض خیال نہیں بلکہ ایمان) کہ دنیا میں ایک کتاب ہے جو زندگی کے ہر شعبے میں اُن کی راہ نمائی کے لئے خدا کی طرف سے بذریعہ وحی عطا ہوئی ہے۔ اس کا ایک ایک حرف محفوظ ہے، ساری دنیا کے انسان مل کر بھی اس کی مثل و نظیر مرتب نہیں کر سکتے۔ یہ کتاب سفرِ زندگی میں اس راستے کی طرف راہ نمائی کرتی ہے جو سب سے زیادہ سیدھا، سب سے زیادہ متوازن اور سب سے زیادہ محکم ہے۔ اس کے مطابق زندگی بسر کرنے سے اس دنیا میں بھی عزت و عظمت۔ شان و شوکت۔ قوت و حشمت۔ اور حکومت و سطوت ملتی ہے اور اس کے بعد کی زندگی میں بھی سرفرازی و سربلندی۔ انہیں اس کا بھی اعتراف ہے (اور اس اعتراف کا وہ ہر مقال پر اعلان کرتے رہتے ہیں) کہ ان کی ذلت و پستی۔ نکبت و زبوں حالی، بیچارگی و درماندگی کا واحد سبب یہ ہے کہ انہوں نے اِس کتابِ عظیم کو پسِ پشت ڈال رکھا ہے۔ آپ اُس اجنبی سے یہ سب کچھ کہیں اور اس کے بعد اسے بتائیں کہ اس کے ساتھ ہی اُس قوم کی حالت یہ ہے کہ جب کوئی خدا کا بندہ انہیں اس کتاب کی طرف دعوت دیتا ہے تو وہ قوم پنجے جھاڑ کر اس کے پیچھے پڑ جاتی ہے اور اس کی مخالفت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتی۔ وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿19﴾ (72:19) اس قوم کے بڑے بڑے راہ نمایانِ شریعت اور ہادیانِ طریقت جگہ بہ جگہ لوگوں سے کہتے پھرتے ہیں کہ لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ (41:26) اس کتاب کا ایک لفظ بھی تمہارے کان میں نہ پڑنے پائے۔ تم نہ اسے خود سننا نہ کسی اور کو سننے دینا۔ یہ بھی یاد رکھو کہ تم اس آواز کو دلائل و براہین سے دبا نہیں سکو گے۔ اس لئے اسے ناکام بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ جہاں دیکھو اس کتاب کا ذکر ہو رہا ہے وَالْغَوْا فِيْهِ بس شور مچانا شروع کر دو۔ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿26﴾ (41:26) اس سے توقع ہو سکتی ہے کہ تم اس دعوت کو ناکام بنا سکو۔ وہ گلی گلی، محلے محلے اس کی تلقین کرتے اور اس آواز کو بلند کرنے والوں کے خلاف بہتان تراشیوں اور دروغ بافیوں سے عوام کے جذبات کو اس طرح بھڑکاتے رہتے

ہیں کہ یَکَادُوْنَ یَسْطُوْنَ بِالَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ عَلَیْھِمْ اٰیٰتِنَا ؕ (22:72) یوں نظر آتا ہے جیسے یہ ان پر بپھرے ہوئے شیر کی طرح حملہ کر دیں گے‘ اس جُرم کی پاداش میں کہ یہ انہیں قرآن کی طرف دعوت کیوں دیتے ہیں؟

فرقہ اہل قرآن:

کہیے کہ وہ اجنبی اِسے سن کر کیا کہے گا؟ کیا یہی نہیں کہے گا کہ واقعی بعض حقیقتیں افسانوں سے بھی زیادہ تحیر انگیز ہوتی ہیں؟ اجنبی تو ایک طرف، اس واقعہ کو خود اپنوں سے بیان کیجئے تو وہ بھی اسے بمشکل باور کریں گے۔ وہ بھی یہی کہیں گے کہ نہیں صاحب! بات کچھ اور ہوگی۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جو لوگ ساری عمر اُٹھتے بیٹھتے قرآن۔قرآن پکارتے رہتے ہیں‘ جن کی ہر بات کا آغاز بھی قرآن سے ہوتا ہے اور انجام بھی قرآن پر، وہ دعوت الی القرآن کی اس طرح مخالفت کریں؟ اور تو اور جب تک ذاتی طور پر اس کا تجربہ نہیں ہوا خود میری سمجھ میں بھی یہ بات نہیں آتی تھی کہ مسلمان قرآن کی مخالفت کس طرح کر سکتا ہے۔ ہمارے ہاں قرآن کی آواز، اسی شہر لاہور سے، اس صدی کے اوائل میں اٹھی تھی، اور اس کی بڑی مخالفت ہوئی تھی۔ لیکن جب میں نے اس دعوت کا تجزیہ کیا تو معلوم ہوا کہ ان حضرات نے قُرآن کو ایک نظامِ زندگی کی حیثیت سے پیش نہیں کیا تھا، محض فقہی حیثیت سے پیش کیا تھا۔ اور اس میں بھی ان کی ایک بنیادی غلطی تھی جس کی وجہ سے یہ حضرات بدقسمتی سے خود ایک فرقہ بن کر رہ گئے تھے۔ (جو اہل الذکر والقرآن کے نام سے متعارف ہے) اِس لئے اِن کی مخالفت اُسی انداز کی تھی جس انداز میں ہمارے مختلف مذہبی فرقے باہمد گر دست و گریباں ہوتے رہتے ہیں۔ یعنی یہ مخالفت پیشہ ورانہ حسد کی بنا پر تھی، قرآن کی بنا پر نہیں تھی۔ لیکن جب میں نے خود اس آواز کو بلند کیا اور اس بیس پچیس برس کے عرصہ میں اس کی انتہائی کوشش کی (اور اللہ کا شکر کہ میں ابھی تک اس کوشش میں کامیاب ہوں) کہ یہ دعوت ایک نئے فرقہ کا خمیر نہ بن جائے (کیونکہ اس صورت میں یہ قرآن کی آواز ہی نہیں کہلا سکتی۔ قرآن تو فرقہ سازی کو شرک قرار دیتا ہے (30:32) تو میں نے دیکھا یہ کہ اگر آپ قرآن کو محض انفرادی وعظ و نصیحت کے طور پر پیش کریں تو اس کی مخالفت کہیں سے نہیں ہوگی۔ لیکن جب آپ اسے دین، یعنی اجتماعی نظام کی شکل میں پیش کریں گے تو مخالفت کا ہجوم چاروں طرف سے سیلابِ بلا کی طرح اُمنڈ آئے گا۔

قرآنی نظام کی مخالفت:

اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ قرآن‘ خدا اور بندے کے درمیان کسی قوت کو حائل نہیں ہونے دیتا۔ وہ اپنے محکم نظام کے ذریعے براہِ راست خدا کے قانون کی اطاعت سکھاتا ہے۔ اس سے وہ تمام قوتیں جو خدا اور انسان کے درمیان حائل ہوتی ہیں‘ یوں ناپید ہو جاتی ہیں جس طرح طلوعِ آفتاب سے رات کی تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں۔ اِس سے نہ اربابِ شریعت کی خدائی مسندیں باقی رہتی ہیں‘ نہ ہادیانِ طریقت کی الوہیاتی عظمتیں۔ ظاہر ہے کہ یہ حضرات اسے کسی صورت میں بھی گوارا نہیں کر سکتے۔ حکومت کی لذت تو ایسی بلا ہے کہ قُلیوں کا میٹ اپنی جمعداری نہیں چھوڑنا چاہتا، اس لئے یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ حضرات اپنے اس قسم کے اقتدار کو آسانی سے چھوڑ دیں جس کا تسلط جسموں کی بجائے دل اور دماغ پر ہو۔ اور جسے قائم رکھنے

اور استوار رکھنے کے لئے نہ فوج اور پولیس کی ضرورت ہو، نہ گولہ بارود کی حاجت۔ لوگ انہیں سجدے بھی کریں اور نذرانے بھی پیش کریں۔ گالیاں بھی کھائیں اور پاؤں بھی دبائیں۔ اِن کا ہر حکم خدا کا حکم اور ہر فیصلہ رسول کا فیصلہ مانا جائے حس کی علانیہ خلاف ورزی تو ایک طرف، دل میں بھی اس کے خلاف ذرا سی گرانی، انسان کو دنیا میں رُوسیاہ اور قیامت میں جہنم کا ایندھن بنا دے۔ کہیئے کہ اس قسم کی حکومت وسطوت اور عزت وعظمت کو کون آسانی سے چھوڑنے پر آمادہ ہوسکتا ہے؟ اگر آپ کوئی تحریک اس قسم کی پیش کریں جس میں خدا کے ساتھ ان نمائندگانِ خدا کی قوت کو بھی تسلیم کرلیا جائے تو یہ مطمئن رہتے ہیں۔ اس لئے کہ ایسی تحریک اور اس قسم کے مذہب میں خدا کا نام محض تبرکاً لیا جاتا ہے۔ عملی اقتدار واختیار سب انہی نائبینِ خدا کے ہاتھ میں رہتا ہے۔ لیکن اگر کوئی اُس قسم کے نظام کی طرف دعوت دے جس میں حکمرانی صرف خدا کے قانون کی ہو تو یہ اس کے تصور تک کو برداشت نہیں کرسکتے۔

اکیلے خُدا کی اطاعت نہیں:

وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ (45:39) جب ان لوگوں کے سامنے جو مستقبل کی زندگی پر ایمان نہیں رکھتے (اور جن کے پیشِ نظر صرف اپنا مفاد عاجلہ ہوتا ہے) تنہا خدا کا نام لیا جائے، یعنی اُن سے کہا جائے کہ اطاعت صرف خدا کے قانون کی ہے اور کسی کی نہیں تو ان کے دل غم وغصہ سے طلسمِ پیچ وتاب بن جاتے ہیں۔ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ (39:45) اور جب خدا کے سوا اوروں کا نام لیا جاوے تو خوشی سے ان کی باچھیں کھل جاتی ہیں۔ وَّلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا (17:46) تنہا خدا کا نام سن کر یہ نفرت وانتقام کے جذبات سے مغلوب ہو کہ مُنہ پھیر کر چل دیتے ہی۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے متعلق قرآن نے کہا ہے کہ: وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ۝ (12:106) ان میں سے اکثر خدا پر ایمان اس طرح لاتے ہیں کہ اسکے ساتھ شرک بھی کئے جاتے ہیں۔ اس لئے کہ ایمان کا تو تقاضا ہی یہ ہے کہ: فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (40:14) خدا کو پکارو تو اس طرح کہ فرماں پذیری اور اطاعت گزاری کے تمام لزوم وتضمنات خالصتہً اُسی کے قانون کے لئے مختص ہو جائیں۔ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ (40:14) خواہ مخالفین، یعنی توحید کے منکرین کو یہ بات کتنی ہی ناگوار کیوں نہ گزرے۔

سرمایہ داروں کی طرف سے مخالفت:

مذہبی پیشوائیت سے آگے بڑھیئے تو قرآنی نظام کی بطشِ شدید، اس کی محکم گرفت، نظام سرمایہ داری پر پڑتی ہے۔ اس میں نہ کسی لیڈر کی لیڈری باقی رہتی ہے نہ زمیندار کی زمینداری۔ نہ جاگیردار کی جاگیرداری قائم رہتی ہے۔ کارخانہ دار کی کرخنداری۔ نہ کسی کے پاس قارون کے خزانے رہتے ہیں نہ شداد کا بہشت۔ اِس میں اللہ کے عطا کردہ رزق کے سرچشمے اللہ کے بندوں کی ضروریات کے لئے کھلے رہتے ہیں۔ لہٰذا یہ تمام قوتیں جو رزق کے سرچشموں پر سانپ بن کر بیٹھی ہوتی ہیں اس آواز کو دبانے لئے متحد ومنظم ہو جاتی ہیں جو قرآنی نظام کو متشکل کرنے کے لئے اٹھے۔ یہی وجہ ہے کہ قُرآن نے کہا ہے کہ خدا

کے نظامِ ربوبیت کے قیام کے لئے جب اور جہاں کوئی انقلابی آواز اٹھی، مترفین کے طبقہ کی طرف سے اس کی مخالفت سب سے پہلے ہوئی۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ (34:34) یہ تاریخ کی بین حقیقت ہے کہ دنیا کی کسی قوم کی طرف بھی خدائی انقلاب کا پہنچانے والا کوئی ایسا نہی آیا جس کی مخالفت اس قوم کے سرمایہ دار طبقہ کی طرف سے نہ ہوئی ہو اور انہوں نے یہ نہ کہا ہو کہ ہم تمہارے نظام کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی حقیقت ہے کہ مترفین کا طبقہ، بایں ہمہ ساز و یراق اور قوت و دولت، اس انقلابی آواز کے مقابلہ میں نکھر کر سامنے نہیں آتا۔ یہ ہمیشہ مذہبی پیشوائیت کو آگے بڑھاتا ہے۔ ہر فرعون، صاحب ضربِ کلیم کے مقابلہ کے لئے ہامان کے لاؤ لشکر کو میدان میں بھیجتا ہے۔ انقلابِ خداوندی کی یہ آواز علم و بصیرت اور دلائل و براہین کی آواز ہوتی ہے۔ دھاندلی اور جہالت کی آواز نہیں ہوتی۔ اس لئے اس کی مخالفت بھی (جسے کرنی ہو) علم و بصیرت اور دلائل و براہین سے کرنی چاہئے۔ لیکن یہ نظام ایسے واضح حقائق کی بنیادوں پر استوار ہوتا ہے کہ اس کے خلاف کسی دلیل و برہان مل ہی نہیں سکتی۔

اسلاف پرستی:

وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ (23:117) لہٰذا جب مذہبی پیشوائیت، سرمایہ داری کی سپر بن کر اس انقلابی آواز کے مقابلے کے لئے میدان میں آتی ہے تو ان کے پاس اس کے تمام دلائل کا ایک ہی جواب ہوتا ہے اور وہ یہ کہ: مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ۝ (23:24) ہم نے اپنے اسلاف سے ایسی کوئی بات نہیں سنی۔ اور جب وحیٔ خداوندی سے اس کا یہ جواب ملتا ہے کہ: اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝ (5:104) تو وہ عوام کے جذبات کو یہ کہہ کر مشتعل کر دیتے ہیں کہ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ (26:25) کیا تم سنتے نہیں ہو کہ یہ تمہارے اسلاف کے متعلق کیا کہتا ہے؟ نظام سرمایہ داری کے یہ مقدس محافظ، یہ کہہ کر عوام کے جذبات کو بھڑکاتے ہیں اور پھر انقلاب کی آواز بلند کرنے والوں کے خلاف ہر قسم کے کذب و افتراء اور تہمت تراشی و دروغ بانی سے کام لے کر عجیب و غریب من گھڑت باتیں ان کی طرف منسوب کرتے رہتے ہیں تاکہ لوگوں کی توجہ اصل سوال کی طرف آنے ہی نہ پائے۔ خود میرے لئے یہ تجربہ بالکل نیا اور حیرت انگیز تھا۔ جیسا کہ میں پہلے بھی کہا ہے، میں نے شروع سے اس کی شدت سے احتیاط رتی ہے کہ قرآن کی اس آواز میں جو طلوعِ اسلام کی طرف سے بلند کی جارہی ہے، کہیں فرقہ بندی اور گروہ سازی کا شائبہ تک نہ آنے پائے۔

تین نمازیں اور نو روزے:

لیکن قرآنی نظامِ ربوبیت کے مخالفین کی طرف سے سب پہلی جو آواز بلند ہوئی وہ یہی تھی کہ لو! اب ایک نیا فرقہ پیدا ہو گیا ہے۔ (یعنی پُرانے فرقے سب ٹھیک ہیں، ان کے خلاف کوئی اعتراض نہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ان فرقوں کے وجود کو ''اسلامی'' دستورِ پاکستان میں آئینی طور پر تسلیم کرایا گیا ہے لیکن نیا فرقہ برداشت نہیں کیا جاسکتا؟) اب ان کے سامنے یہ سوال آیا کہ اس آواز کے بلند کرنے والوں کو فرقہ قرار کیسے دیا جائے کیونکہ یہ تو خود فرقہ پرستی کو شرک قرار دیتے تھے۔ اس کا

طریق بہت آسان تھا۔ جب انسان جھوٹ بولنے پر آ جائے تو اس کے لئے کوئی بات بھی مشکل نہیں رہتی۔ آپ کو معلوم ہے کہ مختلف فرقوں کی پہچان بالعموم کس چیز سے ہوتی ہے؟ طریقِ نماز کے اختلاف سے۔ (آپ اس نقطہ پر غور کیجئے کہ قرآن نے جو کہا تھا کہ نظامِ صلوٰۃ کی وحدت سے دین کی وحدت قائم رہتی ہے' یہ نہ رہے تو دین کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ۙ﴿۳۱﴾ مِنَ الَّذِیۡنَ فَرَّقُوۡا دِیۡنَہُمۡ (30:31-32) تو یہ کتنی بڑی حقیقت کی طرف اشارہ تھا) بہرحال' فرقوں کی پہچان بالعموم نماز کے اختلاف سے ہوتی ہے جب قرآنی نظام کے مخالفین نے اس کے داعیوں پر ایک فرقہ کا لیبل لگایا تو ضروری ٹھہرا کہ وہ مشہور کریں کہ ان کی نماز' باقی فرقوں کی نماز سے مختلف ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ یہ پراپیگنڈہ کس انداز سے کیا جاتا ہے؟ اس کی تفصیل بڑی دلچسپ ہے۔ میں گزشتہ موسمِ گرما میں تبدیلیِ آب وہوا کے لئے سوات کے علاقہ میں گیا تھا۔ اس سے قبل' اس علاقہ میں مرا تعارف کہیں خال خال تھا۔ لیکن میں نے دیکھا کہ میں جہاں گیا' مجھ سے دو چار روز پہلے طائرانِ پیش رس وہاں پہنچ جاتے اور لوگوں سے کہتے کہ ایک نئے فرقے کا بانی تمہارے ہاں آ رہا ہے۔ ان کے ہاں تین نمازیں ہیں۔ ہر نماز میں ایک رکعت۔ اور ہر رکعت میں ایک سجدہ۔ اور روزے بھی ان کے ہاں نو ہی دن کے ہیں۔ چنانچہ میرے وہاں پہنچنے پر لوگ دور دور سے آتے اور چپکے ہی چپکے دیکھتے کہ میں نماز کس طرح پڑھتا ہوں۔ جب وہ اُن سے جا کر کہتے کہ یہ تو ہماری ہی طرح نماز پڑھتا ہے، تو وہ اِن سے کہتے کہ نہیں! یہ باہر اور قسم کی نماز پڑھتا ہے اور کمرے کے اندر اور قسم کی۔ مجھے یہ باتیں اُن لوگوں نے بتائیں جو آہستہ آہستہ میرے خیالات سے واقف ہو کر بعد میں میرے پاس آنے لگے۔

منکرِ شانِ رسالت:

یہ ہے برادران! قرآنی نظامِ ربوبیت کے مخالفین کے پراپیگنڈہ کی پہلی شِق۔ اس کی دوسری شِق اس سے بھی زیادہ شدید اور نازک ہے۔ انہیں معلوم ہے کہ جب کسی مسلمان سے کہا جائے کہ فلاں شخص (خاکم بدہن) حضورِ رسالتمآب ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخی کرتا ہے تو وہ کس طرح آگ بھبوکا ہو جاتا ہے۔ اور ایسا ہونا بھی چاہئے۔ وہ کون شقی القلب ہے کہ حضور ﷺ کی گستاخی سے اُس کا خون نہ کھولنے لگ جائے (یہ الگ بات ہے کہ اس قسم کی دریدہ دہنی کا مؤثر علاج کیا ہے) یہ مخالفینِ نظامِ قرآنی میرے متعلق عوام میں مشہور کرتے رہتے ہیں کہ یہ شخص (معاذ اللہ) منکرِ شانِ رسالت ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کو ایک ہرکارہ سے زیادہ نہیں سمجھتا۔ اس کے نزدیک سیرت نبی اکرم ﷺ کی کچھ اہمیت نہیں۔ یہ سب کچھ اس شخص کی بابت کہا جاتا ہے جس کی سیرتِ نبوی ﷺ پر ہزار صفحہ کی ضخیم کتاب (معراجِ انسانیت) سینکڑوں برگشتہ نوجوانوں کو شمعِ رسالت کا پروانہ بنا چکی ہے۔

منکرِ حدیث:

اس ضمن میں ان کے پروپیگنڈے کا ایک اور نشتر یہ ہے کہ یہ شخص منکرِ حدیث ہے۔ یہ آواز آپ کو فضا میں ہر طرف پھیلی ہوئی ملے گی۔ اس میں شبہ نہیں کہ ہمارے ہاں ایک طبقہ متشددین فی الحدیث کا ہے جو کتب روایات کو قرآن کی مثل قرار دیتا ہے۔ ان کے نزدیک تو امام ابوحنیفہؒ بھی منکرِ حدیث تھے۔ اس لئے یہ حضرات اگر اس بناء پر کہ میرا عقیدہ اُن کے عقیدہ کے

مطابق کیوں نہیں، مجھ پر اعتراض کریں تو مجھے ان سے کوئی شکایت نہیں (بشرطیکہ وہ اس باب میں میری طرف وہی منسوب کریں جو میں کہتا ہوں) لیکن ستم ظریفی تو یہ ہے کہ میرے منکرِ حدیث ہونے کا سب سے زیادہ ڈھنڈورا وہ لوگ پیٹتے ہیں جو حدیث کے متعلق وہی کچھ کہتے ہیں جو میں کہتا ہوں۔ بلکہ ایک جہت سے اس سے بھی کچھ زیادہ۔ وہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق ایسی باتیں کہتے ہیں جن کی جرات میں کبھی نہیں کرسکتا۔ لیکن اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو سب سے بڑے حدیث کے ماننے والے اور مجھے منکرِ حدیث مشہور کرتے ہیں۔ اس ضمن میں ایک دلچسپ واقعہ سنیے۔ کچھ عرصہ کی بات ہے میرے ہاں ایک صاحب آئے اور حدیث کے متعلق باتیں کرتے کرتے کہنے لگے کہ تم رسول اللہ ﷺ کی اطاعت دائمی اور ابدی نہیں مانتے۔ تم کہتے ہو کہ حضور ﷺ کے احکام محض وقتی اطاعت کے لئے تھے۔ میں نے کہا کہ آپ پہلے سن لیجئے کہ اس باب میں میرا نظریہ کیا ہے۔ اس کے بعد فرمایئے کہ آپ کا اعتراض کیا ہے۔ (مجھے معلوم تھا کہ وہ کس جماعت سے متعلق ہیں) چنانچہ میں نے ایک کتاب اٹھائی اور اس میں سے انہیں یہ عبارت پڑھ کر سنائی:

> یہ حقیقت یقیناً ناقابلِ انکار ہے کہ شارع نے غایت درجہ کی حکمت اور کمال درجہ کے علم سے کام لے کر اپنے احکام کی بجا آوری کے لئے زیادہ تر ایسی ہی صورتیں تجویز کی ہیں جو تمام زمانوں اور تمام مقامات اور تمام حالات میں اس کے مقصد کو پورا کرتی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود بکثرت جزئیات ایسے بھی ہیں جن میں تغیر حالات کے لحاظ سے احکام میں تغیر ہونا ضروری ہے۔ جو حالات عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہ میں عرب اور دنیائے اسلام کے تھے لازم نہیں کہ وہی حالات ہر زمانے اور ہر ملک کے ہوں۔ لہٰذا احکامِ اسلامی پر عمل کرنے کی جو صورتیں ان حالات میں اختیار کی گئی تھیں ان کو ہو بہو تمام زمانوں اور تمام حالات میں قائم رکھنا اور حکم کے لحاظ سے ان میں کسی قسم کا ردّوبدل نہ کرنا ایک طرح کی رسم پرستی ہے جس کو روحِ اسلامی سے کوئی علاقہ نہیں۔

یہ سن کر وہ کہنے لگے کہ کیا اس عقیدہ کے بعد بھی آپ کے منکرِ حدیث ہونے میں کوئی شبہ باقی رہ سکتا ہے؟ وہ اسی سُر میں کچھ اور بھی کہنا چاہتے تھے کہ میں نے جلدی سے کتاب اُلٹ کر دکھائی تو اس پر لکھا تھا۔ ''تفہیمات (حصہ دوم) ابوالاعلیٰ مودودی۔ اس کے بعد میں نے ان سے صرف اتنا کہا کہ یہ چیز اسی ایک شق تک ہی محدود نہیں۔ حدیث کے متعلق جو اعتراض بھی آپ مجھ پر وارد کریں میں اس کی تائید میں اسی قسم کے اقتباسات ان حضرات کی تحریروں سے آپ کے سامنے پیش کردوں گا۔

وہ اس کے بعد کچھ کھسیانے سے ہو کر چلے گئے۔ لیکن دوسرے دن پھر حسبِ معمول ہماری مخالفت میں سرگرمِ جہاد تھے۔ یہ ہے برادران! ان حضرات کی مخالفت کی کیفیت، جو درحقیقت مخالف تو ہیں قرآنی نظامِ ربوبیت کے جس میں نہ ان حضرات کی سیادت باقی رہتی ہے نہ ان کے فتووں سے پروان چڑھنے والے سرمایہ دار طبقہ کی خون آشامیت۔ لیکن چونکہ یہ کھُلے بندوں ایسا کہنے کی جرات نہیں رکھتے اس لئے وہ ان غلط بیانیوں سے کام لے کر لوگوں کو ہم سے متنفر کرتے رہتے ہیں۔ تاکہ وہ ہماری آواز ہی نہ سُنیں۔ دُکھ انہیں یہ ہے کہ ہم قرآن کا وہ نظام کیوں پیش کرتے ہیں جو سرمایہ داری کو ختم کردیتا ہے۔

لیکن وہ سپر ڈھونڈتے ہیں ناموسِ رسالت ﷺ اور عظمتِ اسلاف کی۔ لیکن یہ کوئی نئی بات نہیں۔ قرآن بتاتا ہے کہ ان لوگوں کی طرف سے ہمیشہ یہی کچھ ہوتا رہا ہے۔ جب حضرت موسیٰؑ فرعون کے پاس گئے کہ وہ بنی اسرائیل کو اپنے پنجہء استبداد سے رہا کر دے تو وہ بجائے اس کے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات کا جواب دیتا اُس نے اُن سے کہا کہ یہ بتاؤ کہ ہمارے اسلاف کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴿۵۱﴾ (20:51) مقصد صرف یہ تھا کہ جب یہ اُن کے خلاف کچھ کہیں گے تو میں فوراً عوام میں مشہور کر دوں گا کہ یہ تمہارے اسلاف کی شان میں گستاخی کرتا ہے۔ اس طرح اُن کی توجہ دوسری طرف منتقل ہو جائے گی اور اصل سوال غت ربود ہو جائے گا۔ یہی کچھ شروع سے ہوتا چلا آ رہا ہے اور یہی کچھ آج ہو رہا ہے۔

نہ ستیزہ گاہِ جہاں نئی نہ حریفِ پنجہ فگن نئے وہی فطرتِ اسد اللّٰہی، وہی مرحبی، وہی عنتری

.....☆.....

ہمارا مسلک:

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر مختصر الفاظ میں واضح کر دیا جائے کہ طلوعِ اسلام کا مسلک کیا ہے اور مقصد کیا ہے تا کہ وہ سعید روحیں جو حقیقت کی متلاشی ہوں، انہیں معلوم ہو جائے کہ ہم کہتے کیا ہیں؟ ہمارا مسلک یہ ہے کہ:

1۔ دین کا مقصد یہ ہے کہ وہ انسانوں سے خالص قوانینِ خداوندی کی اطاعت کرائے اور اس طرح کوئی انسان دوسرے انسان کی محکومی اور غلامی میں نہ رہے۔ خواہ یہ غلامی ذہنی اور فکری ہو اور خواہ طبیعی اور اقتصادی۔

2۔ قوانینِ خداوندی کی اطاعت ایک نظام کی رُو سے ہو سکتی ہے جسے استخلاف فی الارض (یا نظامِ مملکت) کہتے ہیں۔ قرآن کی رُو سے استخلاف فی الارض کے بغیر دین کا تمکن ہو ہی نہیں سکتا۔

3۔ قرآن نے (بجز مستثنیات) دین کے اصولی قوانین دیئے ہیں اور اسے اس نظام پر چھوڑا ہے کہ وہ ان اصولوں کی روشنی میں اپنے وقت کے تقاضوں کیمطابق جزئیات خود متعین کرے۔

4۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد دین کا یہی نظام قُرآنی قائم کیا اور اپنے رفقائے کار (صحابۂ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے مشورہ سے قرآن کے اصولی احکام کی جزئیات مرتب فرمائیں۔

5۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد دین کا یہی نظام، حضور ﷺ کے خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جاری رکھا جو امورِ ملّت کے مشورہ سے سرانجام دیتے تھے۔ قرآن کے جن اصولوں کی جزئیات اس سے پہلے متعین نہیں ہوئی تھیں انہوں نے ان کا تعین کیا۔ جن میں کسی ردّوبدل کی ضرورت تھی ان میں ضروری تغیر و تبدل کیا جن میں ایسی ضرورت نہیں تھی انہیں علیٰ حالہ باقی رکھا۔

6۔ بدقسمتی سے خلافت علی منہاجِ نبوت کا یہ سلسلہ کچھ عرصہ کے بعد منقطع ہو گیا۔ اور دین کا قُرآنی نظام باقی نہ رہا۔ اس سے امت میں انتشار پیدا ہو گیا جس میں ہم اس وقت تک مبتلا ہیں۔ اب کرنے کا کام یہ ہے کہ پھر سے اسی انداز کا نظام قائم کیا جائے جو اُمت کو قرآن کے مطابق چلائے۔

7۔ جب تک اس قسم کا نظام قائم نہیں ہوتا' اُمت کے مختلف فرقے مختلف جزئیات پر جس جس انداز سے عمل پیرا ہیں' کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ ان میں کسی قسم کا ردّ و بدل کرے۔ یہ حق صرف قرآنی نظام کو پہنچتا ہے کہ وہ ان اختلافات کو مٹا کر پھر سے امت میں وحدت پیدا کرے۔ اس دوران میں اتنا ہی کیا جا سکتا ہے کہ دین کے اس تصور کو زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے اور ہم میں جو عقاید و رسومات ایسی رائج ہو چکی ہیں جو قرآن کے خلاف ہیں ان کی طرف توجہ دلائی جائے تا کہ جو لوگ قرآن کے مطابق زندگی بسر کرنے کا جذبہ اپنے اندر رکھتے ہوں وہ اپنی اصلاح کرتے چلے جائیں۔

8۔ قُرآن تمام نوعِ انسانی کے لئے واحد اور مکمل ضابطۂ حیات ہے اس کے ساتھ وحی کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ لہٰذا نہ قرآن کے بعد خدا کی طرف سے کوئی اور کتاب آ سکتی ہے، نہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی اور نبی یا رسول۔

9۔ قرآن کا ہر دعویٰ علم پر مبنی ہے اور اس کے حقائق زمان و مکان کی حدود سے ماوراء قرآنی حقائق کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اپنے زمانہ کے علوم و فنون جس حد تک ترقی کر چکے ہیں وہ سب انسان کے سامنے ہوں۔ اور چونکہ قرآن کا ارشاد ہے کہ یہ تمام کائنات، انسان کے لئے تابع تسخیر کر رکھی ہے اس لئے خدائی پروگرام کو پورا کرنے کے لئے کائناتی قوتوں کی تسخیر لاینفک ہے۔

10۔ نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ مقدسہ، شرفِ انسانیت کی معراجِ کبریٰ کی مظہر تھی۔ لیکن بدقسمتی سے ہماری کتبِ روایات و تاریخ میں ایسی باتیں شامل ہو گئی ہیں جن سے حضور ﷺ کی سیرت داغدار ہو کر سامنے آتی ہے۔ آپ کی سیرت طیّبہ ﷺ کا حصّہ قرآن کے اندر محفوظ ہے اس کے قطعی اور یقینی ہونے میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں۔ باقی رہا وہ حصہ جو قرآن کے باہر ہے سو اس میں اگر کوئی بات ایسی ہے جو قرآن کے خلاف جاتی ہے یا جس سے حضور ﷺ پر کسی قسم کا طعن پایا جاتا ہے تو وہ بات ہمارے نزدیک وضعی ہے اور حضور ﷺ کی طرف غلط منسوب۔ ضرورت ہے کہ سیرتِ نبوی کے صحنِ چمن سے کانٹوں کا الگ کر دیا جائے جو روایات نہ قرآن کے خلاف ہیں اور نہ ہی ان سے حضور ﷺ کی سیرتِ مقدسہ ﷺ پر کسی قسم کا حرف آتا ہے' انہیں ہم صحیح مانتے ہیں۔

11۔ ہم دین میں فرقہ سازی کو شرک سمجھتے ہیں اس لئے ہم کوئی فرقہ نہیں پیدا کرنا چاہتے نہ ہی ہم نے کوئی نئی قسم کی نماز ایجاد کی ہے نہ روزوں کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ نو دن کے ہیں۔ احکامِ اسلامی کے متعلق البتہ ہم یہ ضرور کہتے ہیں کہ ان کی پابندی محض ایک رسم کے طور پر نہیں کرنی چاہئے بلکہ ان کی روح پر بھی نگاہ رکھنی چاہئے۔

12۔ قرآنی نظام کا مقصود یہ ہے کہ انسان کی مضمر صلاحیتوں کی پوری پوری نشوونما ہو جائے تا کہ نوعِ انسانی اس زندگی میں سر اُٹھا کر چلنے' اور اس کے بعد کی زندگی میں شرفِ انسانیت کے باقی مراحل طے کرنے کے قابل ہو سکے۔

13۔ قرآنی نظام میں تمام افراد معاشرہ کی بنیادی ضروریاتِ زندگی بہم پہنچانے کی ذمہ داری معاشرہ پر ہوتی ہے۔ اس اہم فریضہ کی ادائیگی کے لئے ضروری ہے کہ وسائلِ پیداوار معاشرہ کی تحویل میں رہیں نہ کہ افراد کی ذاتی ملکیت میں جس میں معاشرہ کوئی دخل نہ دے سکے۔ یاد رہے کہ یہ تصور کمیونزم کے تصور سے یکسر مختلف ہے جس میں انسان کی طبیعی زندگی کے علاوہ کسی اور زندگی کا تصور

ہی نہیں ہوتا ہے۔ یہ وجہ ہے کہ قرآن کا نظامِ ربوبیت نہ سرمایہ داروں کے لئے خوش آئند ہوسکتا ہے نہ کمیونسٹوں کے لئے۔

یہ برادران! مختصر الفاظ میں دین کے متعلق وہ نظریات وتصورات جنہیں میں ایک عرصہ سے قوم کے سامنے پیش کرتا چلا آ رہا ہوں۔ مقصد اس سے یہ ہے کہ ملک میں ایسی فضا تیار کی جائے جو قرآنی نظام کی تشکیل کے لئے سازگار ہو۔ اور جب آہستہ آہستہ ساری زمین اپنے نشوونما دینے والے کے نور سے جگمگا اٹھے اور جس مقصد کے لئے قرآن دنیا میں آیا تھا وہ مقصد پورا ہو جائے۔

یہ ہے ہمارا مسلک اور مقصد جسے ہم برسوں سے دہراتے چلے آ رہے ہیں۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہماری طرف منسوب کیا جاتا ہے وہ مخالفین کا پراپیگنڈا ہے جو خاص مقصد کے لئے کیا جا رہا ہے۔

☆☆☆☆☆☆

فکری طریق:

اب برادران! مجھے چند الفاظ اُس طریق کے متعلق عرض کرنے ہیں جو میں نے اس تحریک کو عام کرنے کے لئے اختیار کیا ہے۔ تاریخ کے اوراق اس پر شاہد ہیں کہ (دیگر ممالکِ اسلامیہ کو چھوڑیئے، خود) ہندوستان میں گزشتہ ایک صدی میں مسلمانوں کی متعدد تحریکیں اٹھیں۔ ہر تحریک کا آغاز اس جوش وخروش اور ولولہ وطنطنہ سے ہوتا جیسے کوئی سیلابِ بلا اُمنڈے چلا آ رہا ہو۔ ایسا دکھائی دیتا کہ یہ تحریک، مخالفت کے ہر سنگِ گراں کو خس وخاشاک کی طرح بہا کر لے جائے گی۔ اور اسی برق رفتاری کے ساتھ آگے بڑھتی ہوئی اپنی منزل تک پہنچ کر دم لے گی۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد نظر آتا کہ وہ تحریک یوں حرفِ غلط کی طرح مٹ گئی۔ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُورًا (76:1) ان تحریکوں کے مقاصد کی بلندی یا ان میں شریک ہونے والوں کے حسنِ نیت میں کسی قسم کا شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اس کے باوجود ان کے اس طرح ناکام رہ جانے کی وجہ یہ تھی کہ ان تحریکوں کی بنیادیں خالص جذبات پر رکھی گئی تھیں جن میں فکر وتدبر کا دخل نہیں تھا۔ خالی جذبات پر اُبھری ہوئی تحریکیں درد کی طرح اٹھتی اور آنسوؤں کی طرح بیٹھ جایا کرتی ہیں۔ قرآن نے اپنی تحریک کی بنیاد فکر وشعور پر رکھی ہے۔ وہ انسان کی فکری صلاحیتوں کو اُبھارتا ہے۔ انہیں سوچنے اور غور کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ ان کی عقل وفکر (REASON) کو اپیل کرتا اور دلیل وبرہان کی رو سے اُنکی نگاہ میں آہستہ آہستہ تبدیلی پیدا کرتا چلا جاتا ہے۔ جب وہ اس طرح تحریک سے علیٰ وجہ البصیرت ہم آہنگ ہو جاتے ہیں تو پھر اُنہیں آگے قدم بڑھانے کی دعوت دیتا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ انسان جو قدم پورے غور وفکر کے بعد علیٰ وجہ البصیرت آگے بڑھائے، وہ اُسے پھر پیچھے نہیں ہٹایا کرتا۔

چونکہ ہماری تحریک کی بنیادیں قُرآنی حقائق پر استوار ہیں اور اس کا مقصد قرآنی نظام کی تشکیل ہے۔ اس لئے اس تحریک کے عام کرنے کے لئے میں نے طریق بھی وہی اختیار کیا ہے جسے قُرآن تجویز کرتا ہے۔ یعنی فکری طریقِ عمل۔ میں بھی ہر ایک سے باتباعِ رسالت یہی کہتا ہوں کہ: اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ۔ میں آپ سے صرف ایک بات کہنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ: اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ۔ تم خدا کے لیے ایک ایک دو دو کر کے کھڑے ہو جاؤ ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۗ

(34:46) اس کے بعد سوچو! اگر تم نے سوچنا شروع کر دیا کہ انسانیت کی منزل کونسی ہے اور ہم کس راستے پر چلے جا رہے ہیں تو تم یقیناً قرآن کی دعوت سے متفق ہو جاؤ گے۔ یہ ہے برادران! وہ طریق جس سے میں گزشتہ بیس پچیس برس سے قرآنی فکر کی نشر و اشاعت سے اربابِ فکر و نظر کو دعوتِ غور و فکر دیتا اور یوں ایک ایک کر کے اپنے رفقاء سفر اکٹھے کرتا چلا جا رہا ہوں۔

غزل سرایم و پیغام آشنا گویم بایں بہانہ دریں بزم محرمے جویم

ذہنی کے بعد قلبی تبدیلی:

جو احباب اس طرح ذہنی طور پر اس فکر سے ہم آہنگ ہو جائیں ان کے سامنے اگلا مرحلہ یہ آتا ہے کہ جن حقائق کو انہوں نے ذہنی طور پر صحیح سمجھا ہے ان کے مطابق اپنے قلب میں بھی تبدیلی پیدا کریں۔ اس لئے کہ قُرآن اپنی تحریک کی کامیابی کے لئے صرف ذہنی انقلاب کو ہی کافی نہیں سمجھتا۔ وہ اس کے ساتھ قلبی تبدیلی کو بھی ضروری قرار دیتا ہے۔ اسی کا نام سیرت کی پختگی یا انسانی ذات کا استحکام ہے۔ وہ اس طرح تطہیرِ فکر و نگا سے ایسے افراد تیار کرتا ہے جو قرآنی نظام کی بنیادوں کو استوار کریں۔ وہ ان کے داخلی انقلاب سے خارجی انقلاب عمل میں لاتا ہے۔ بلکہ یوں کہئے کہ یہ خارجی انقلاب درحقیقت ان کے داخلی انقلاب کا فطری مظہر ہوتا ہے۔ وہ اس حقیقت کو عملاً سامنے لاتا ہے کہ ؎

اے کہ منزل را نمی دانی ز راہ! قیمتِ ہر شے ز اندازِ نگاہ
نوعِ دیگر بیں جہاں دیگر شود ایں زمین و آسماں دیگر شود

صبر آزما مراحل:

لیکن برادران! انقلاب کا یہ طریقہ بڑا صبر آزما اور ہمت طلب ہوتا ہے۔ اسم میں فرہادی استقامت اور کوہکنی استقلال کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس میں قدم قدم پر پروانے کی طرح خاموشی سے جل جانے اور اُف تک نہ کرنے کی منزلیں آتی ہیں۔ اس میں نہ نمائش کے مواقع ہوتے ہیں نہ نمود کی گنجائش نہ ذاتی صلہ کی امید نہ ستائش کی توقع۔ یہ راستہ لمبا بھی ہوتا ہے اور پُر خار بھی، غیر مانوس بھی ہوتا ہے اور آبلہ انگیز بھی۔ اس میں لاکھ جی گھبرائے اور ہزار طبیعت اُکتائے (SHORT CUT) کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ اس طریقِ انقلاب کے جاں گسل مراحل کی صبر آزمائی کا اندازہ اس سے لگائیے کہ انقلابِ قرآنی کے اوّلین داعی، حضور نبی اکرم ﷺ کی عمر نبوت صرف تیئیس (23) سال تھی۔ اس تیئیس (23) سال کی مدت کو قیامت تک پھیلائیے اور پھر دیکھئے کہ اُس کا ایک ایک سانس کی طرح صدیوں پر بھاری تھا لیکن اس تیئیس سال میں سے تیرہ سال کا عرصہ (یعنی قریب چھپن فی صدی) اسی داخلی انقلاب میں صرف ہو گیا۔ غور کیجئے کہ کتنی بڑی ہے یہ قیمت جسے قرآنی انقلاب مانگتا ہے لیکن اس کے ادا کئے بغیر چارہ ہی نہیں۔ اس راہ میں صبر طلبی عشق، بیتابیٔ تمنا کی کوئی پرواہ نہیں کرتی۔ اس لئے کہ فطرت اپنے قوانین میں (جن کی رُو سے اُسنے تخم کاری اور ثمر ریزی کے درمیان ایک متعین وقفہ رکھا ہے) کسی کے لئے تبدیلی نہیں کیا کرتی۔

حیات شعلہ مزاج وغیور وشور انگیز سرشت اس کی ہے مشکل کشی جفا طلبی

چنانچہ قرآن اس پر شاہد ہے کہ خود نبی اکرم ﷺ کے دل میں بھی اس کا خیال پیدا ہوتا تھا کہ نمعلوم ہماری یہ تگ وتاز میری زندگی میں ثمر بار ہو سکے گی یا نہیں۔ اس کے جواب میں آپ سے صاف کہہ دیا گیا کہ: وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ ... ان مخالفین کی تباہی و بربادی کے متعلق جو کچھ کہا جاتا ہے (کہ ایسا ہو کر رہے گا) ہوسکتا ہے کہ وہ تیری زندگی میں سامنے آجائے اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ وہ تیری وفات کے بعد ظہور میں آئے۔ لیکن تمہیں اس سے غرض نہیں ہونی چاہئے کہ وہ کب ظہور میں آتا ہے۔ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿40﴾ (13:40) تمہارے ذمہ یہی ہے کہ تم اس پیغام کو عام کرتے جاؤ۔ یہ دیکھنا ہمارے ذمّے ہے کہ اس سعی وعمل کے نتائج نمودار کب ہوتے ہیں؟ کسان کا کام ہل جوتنا ۔تخم ریزی کرنا۔ کھیت کو پانی دینا، اس کی رکھوالی کرنا ہے۔ اس کی کھیتی پکے گی کب؟ یہ چیز ہمارے قانونِ مکافات سے متعلق ہے جن پر کسان کی عجلت اور بے تابی کوئی اثر نہیں کر سکتی۔

یہ ہے برادران! انقلاب آفرینی کا وہ بظاہر خاموش لیکن بہ باطن تلاطم انگیز طریقہ جسے قرآن اپنی تحریک کی کامیابی کے لئے تجویز کرتا ہے۔ وہ طریقہ جس میں محنت طلبی اور شکیب آزمائی کی کیفیت ہوتی ہے کہ ؎

سکوتِ شام سے تا نغمہ ء سحر گاہی ہزار مرحلہ ہائے فغانِ نیم شبی
کشاکش زم وگرما۔ تپ وتراش وخراش زخاکِ تیرہ دروں تا بہ شیشۂ حلبی!
مقامِ بست وکشاد وفشار وسوز وکشید میانِ قطرہ ء نیسان وآتشِ عنبی!

لیکن اس کے ساتھ اسے بھی یاد رکھئے کہ

اسی کشاکشِ پیہم سے زندہ ہیں اقوام یہی ہے راز تب وتابِ ملتِ عربی

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا ... جن خوش بخت انسانوں نے دل کی پوری جمعیت سے کہہ دیا کہ ہمارا نشوونما دینے والا اللہ ہے اور پھر اپنے اس دعویٰ پر جم کر کھڑے ہو گئے تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں یہ کہتے ہوئے کہ تم کسی قسم کا خوف نہ کھاؤ۔ بالکل نہ گھبراؤ۔ وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿30﴾ (41:30) تم اس جنت کی بشارتیں لو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

کوئی دوسرا طریق نہیں:

یہی ہے برادران! وہ طریقہ جسے خود میں نے اپنے لئے اختیار کیا اور جس کی طرف میں دوسروں کو دعوت دیتا چلا آ رہا ہوں۔ اس میں مجھے قریب بیس پچیس برس لگ گئے۔ اور اگر اس میں اُس مدت کو بھی شامل کر لیا جائے جو مجھے غیر قرآنی شریعت کے دلدل اور افلاطونی تصوف کی بھول بھلیوں سے نکلنے میں لگی تو اس عرصہ کی درازی کہیں سے کہیں پہنچ جائے گی۔ یہ لمبا راستہ اور سفر کی تنہائی، یقیناً تھکا دینے کے لئے کافی تھے۔ لیکن جس چیز نے میری ہمت کو قائم رکھا وہ اس حقیقت پر علیٰ وجہ البصیرت ایمان تھا کہ اس کے سوا خودگری اور بازآفرینی کا کوئی دوسرا راستہ ہی نہیں جو احباب قرآنی فکر کے اس راستے میں

میرے رفیقِ سفر بننے پر آمادگی ظاہر کرتے ہیں، میں کوشش کیا کرتا ہوں کہ یہ حقیقت ان کے دل کی گہرائیوں میں پیوست ہو جائے کہ یہ راستہ بڑا صبر آزما اور استقامت طلب ہے جس میں خالی جذبات کی ولولہ انگیزی کچھ کام نہیں آتی۔ نہ صرف یہ کہ کچھ کام نہیں آتی بلکہ تخریبی نتائج پیدا کر دیتی ہے۔ وہ یہ سب کچھ سن کر آگے بڑھتے ہیں لیکن تجربہ نے یہ بتایا ہے کہ ان میں سے اکثر اس حوصلہ شکن مسلک پر زیادہ دیر تک گامزن نہیں رہ سکتے۔ ان کی بیتابیٔ تمنا انہیں رہ رہ کر ہنگامہ خیزی پر اُکساتی ہے۔ ان میں سے بعض تنگ آ کر میری سُست روی پر طعنہ زن بھی ہوتے ہیں۔ لیکن جب وہ اس کے باوجود مجھے اپنی روش بدلنے پر آمادہ نہیں کر سکتے تو ان میں سے کچھ تو یہ کہہ کر بیٹھ جاتے ہیں کہ

کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک!

اور بعض اپنے جذبات کی تسکین کے لئے دوسری راہیں تراش لیتے ہیں۔ مجھے نہ ان سے کوئی گلہ ہے نہ اُن سے شکوہ۔ میں نے یہ داستان دہرائی اس لئے ہے کہ آپ میں سے جو احباب اپنے دل میں اس بادیہ پیمائی کا ولولہ رکھتے ہوں وہ اس مرحلہ کی شکیب آزمائی کا اچھی طرح سے اندازہ کر لیں اور خوب سمجھ لیں کہ دنیا میں سب سے زیادہ مشکل کام اپنے اندر انقلاب پیدا کرنا ہے۔ پہلے ذہنی انقلاب پھر قلبی انقلاب اور جب تک وہ اس مرحلہ سے گزر نہیں جاتے، کوئی دوسرا پروگرام ان کے سامنے نہیں آ سکتا۔

اس کے نتائج:

اس مقام پر میں اتنا واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس طریقہ سے انقلاب آفرینی کی رفتار درحقیقت اتنی سُست نہیں ہوتی جتنی وہ بظاہر نظر آتی ہے۔ محسوسات کی خوگر نگاہیں، گھڑی کی رفتار کو سیکنڈ کی سوئی سے دیکھنے کی عادی ہوتی ہیں۔ جس گھڑی میں سیکنڈ (اور منٹ) کی سوئیاں نہ ہوں، صرف گھنٹے کی سوئی ہو، وہ اسے ساعتِ رواں (چلنے والی گھڑی) سمجھیں گے ہی نہیں، لیکن انہیں کیا معلوم کہ سیکنڈ اور منٹ کی سوئیوں کی عدم موجودگی میں گھڑی کی رفتار پر کچھ فرق نہیں پڑتا۔ یہ صرف ہماری نگاہ کا قصور ہوتا ہے جو ان تیز رفتار سوئیوں کی عدم موجودگی میں گھڑی کی رفتار کو محسوس شکل میں نہ دیکھ سکنے کی وجہ سے اس کے متعلق جامد یا سست ہونے کا فیصلہ کر لیتی ہے۔ اس کی شہادت خود میرے اپنے تجربہ سے مل سکتی ہے۔ میں نے اس تمام عرصہ میں جو کچھ کیا ہے، تنہا کیا ہے۔ نہ میرے پاس سامان و ذرائع تھے نہ اسباب و وسائل۔ نہ کوئی جماعت پیچھے تھی نہ فنڈ۔ نہ کوئی ہم صفیر تھے نہ ہم سفر۔ ہر طرف مخالفتوں کا ہجوم اور ان میں گھِری ہوئی ایک ننھی سی آواز جس کے اظہار کا ذریعہ ایک ماہوار مجلہ۔ بظاہر نظر آتا تھا نہ نقار خانہ میں طوطی کی یہ اواز یونہی فضا میں گم ہو کر ضائع جا رہی ہے۔ لیکن اس ننھی سی آواز کا اثر ہے اس وقت ملک کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو اس سے متاثر نہ ہو چکا ہو۔ حتیٰ کہ موافقین تو ایک طرف مخالفین تک ہی یہ حالت ہے کہ وہ اب طلوع اسلام کی زبان میں گفتگو کرتے ہیں۔ ان کی تحریر و تقریر میں اس کے الفاظ اور اصطلاحات بلا تکلف استعمال ہوتے ہیں۔ وہ اس کے پیش کردہ دین کے تصور کو اپنا رہے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ قرآن کی آیات کا ترجمہ بھی اسی کے اسلوب انداز میں کرتے ہیں۔

یہاں تک تو لگا لائے ہیں ہم رستے پہ زاہد کو کہ سمجھاتا ہوا اب تا درِ مے خان آتا ہے

اس بے سروسامانی کے باوجود، یہ تغیّر یقیناً اپنی اہمیت رکھتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

بغیر پارٹی بازی کے:

بہرحال یہ ہے قرآنی انقلاب کے لئے طریقِ کار کا پہلا گوشہ۔ اس کے بعد میں اس کے دوسرے گوشے کی طرف آتا ہوں جو اس سے پہلے گوشے سے بھی زیادہ نازک اور لطیف ہے۔ لطیف اتنا کہ بعض اوقات اسے صحیح طور پر سمجھنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ وہ گوشہ یہ ہے کہ قرآنی فکر کی نشر واشاعت اور اس کے ذریعے معاشرہ میں انقلاب بغیر گروہ بندی اور پارٹی بازی کے برپا کیا جائے گا۔ چونکہ دورِ حاضرہ میں معمول یہ ہے کہ کوئی تحریک بغیر پارٹی کے وجود میں نہیں آتی اس لئے یہ بات ذرا مشکل سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ پارٹی بازی کے بغیر بھی کوئی تحریک چل سکتی ہے۔ لیکن برادران! قرآن کریم سے جو کچھ تھوڑی بہت بصیرت میں نے حاصل کی ہے اس کی روشنی میں میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ملت کے اندر تعمیری انقلاب پیدا کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ کوئی پارٹی بنائے بغیر ان میں فکری تبدیلی پیدا کرتے جائیں۔ چونکہ (جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے) یہ مسئلہ کچھ مشکل سا ہے اس لئے میں اس کے متعلق ذرا وضاحت سے عرض کرنا چاہتا ہوں۔ قرآن کریم، غیر مسلموں کے مقابلہ میں مومنین کو ایک الگ جماعت، ایک جداگانہ اُمت قرار دیتا ہے۔ لیکن وہ اس اُمت کے اندر فرقہ سازی کو شرک سے تعبیر کرتا ہے۔ میں نے بعض احباب کو کہتے سُنا ہے کہ قرآن مذہبی فرقہ کو شرک قرار دیتا ہے۔ سیاسی پارٹی کو شرک نہیں ٹھہراتا۔ ذرا سوچئے کہ جس اسلام میں مذہب اور سیاست دو الگ الگ شعبے ہی نہیں۔ اس میں مذہبی فرقہ اور سیاسی پارٹی میں کیا فرق ہو سکتا ہے؟ لہٰذا مذہبی فرقہ ہو یا سیاسی پارٹی۔ دونوں تفرق فی الدین ہیں۔

منظم کوشش:

پھر یہ کہا جاتا ہے کہ جو مقصد ہمارے سامنے ہے، اس کے لئے اجتماعی کام کی ضرورت ہے انفرادی کوششوں سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ اگر پارٹی بنانا منع ہے تو یہ اجتماعی کام کس طرح سے ہو سکے گا۔ یہ اجتماعی کام منظم کوشش (ORGANISED EFFORT) سے ہو سکے گا۔ اب سوال یہ پیدا ہوگا کہ پارٹی بازی اور منظم کوشش میں کیا فرق ہے؟ اس فرق کا سمجھ لینا نہایت ضروری ہے۔ قرآن نے تحزب (پارٹی بازی) کی نفسیات کو چند الفاظ میں سمیٹ کر رکھ دیا ہے جہاں کہا ہے کہ: كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝ (30:32) پارٹی کی عمارت تعصّب کی بنیادوں پر اٹھتی اور دوسروں سے نفرت کے جذبہ پر استوار ہوتی ہے۔ ایک پارٹی کے ممبر یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا بھر کی سعادتیں اور حسنات ان کی پارٹی میں جمع ہیں اور پارٹی سے باہر جتنے لوگ ہیں ان میں کوئی خوبی اور نیکی نہیں۔ اس سے اُن کے اپنے اندر نخوت اور تکبّر پیدا ہو جاتا ہے اور وہ دوسروں کو سخت ذلت اور حقارت کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ لیکن انہی ذلیل اور حقیر لوگوں میں سے جب کوئی ان کی پارٹی میں شامل ہو جاتا ہے تو وہ ہر قسم کے شرف ومجد کا حامل بن جاتا ہے۔ پھر اس میں دنیا بھر کی خوبیاں آجاتی ہیں۔ اگر وہ پارٹی کے ساتھ وفا شعار (LOYAL) رہتا

ہے تو اس کا ہر عیب، ہنر دکھائی ہے لیکن اگر اس نے پارٹی سے قطع تعلق کر لیا تو نہ صرف یہ کہ اس کی ہر خوبی عیب بن جاتی ہے بلکہ دنیا بھر کے عیب اس کی طرف منسوب کر دیئے جاتے ہیں اور اسے جی بھر کے بدنام کیا جاتا ہے۔ یہی وہ ڈر ہے جس کی وجہ سے لوگ پارٹیوں کے ساتھ متمسک رہتے ہیں۔ اپنی پارٹی کی تقویت ہر رکن کا اولین فریضہ ہوتا ہے اور اس کے لئے ہر قسم کا جائز و ناجائز حربہ استعمال کرنا عین جہاد سمجھا جاتا ہے۔ دوسروں کی بات کتنی ہی معقول کیوں نہ ہو، وہ اسے کبھی نہیں سنتے اور اگر کبھی مجبوراً سننا پڑے تو اس کا تمسخر اڑاتے اور استہزا کی ہنسی ہنستے ہیں۔ ان کی مجلسوں کا محبوب ترین مشغلہ دوسروں کی تذلیل و تحقیر ہوتا ہے جس میں وہ بڑی لذّت لیتے ہیں۔ اِن کی ساری ہمدردیاں صرف اپنی پارٹی کے ممبروں تک محدود ہوتی ہیں۔ ان سے باہر کے انسانوں سے وہ کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتے۔ وہ اُن سے ملتے ہیں تو محض منافقانہ۔ اُن سے تعلقات وابستہ رکھتے ہیں تو مجبورانہ۔ ورنہ ان کا دِلی تعلق صرف اپنی پارٹی کے افراد تک محدود ہوتا ہے اور (MY PARTY, RIGHT OR WRONG)۔ یہ ہوتا ہے ان کا نصب العین۔ یہ ہیں وہ عناصر جن سے ایک پارٹی ترتیب پاتی اور قائم رہتی ہے۔ لیکن قرآنی نظام کے لئے منظم کوششوں کا تصور اس سے یکسر مختلف ہے۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے قرآنی نظام کی حقیقت کو سمجھ لیا ہے اور جن کی آرزو یہ ہے کہ یہ نظام پھر سے ملت میں متشکل ہو جائے، وہ سب سے پہلے اس کی بنیادی خصوصیات خود اپنے اندر پیدا کریں اور پھر اس نظام کے تصور کو دوسرے لوگوں تک پہنچائیں۔ اس نظام کا بنیادی اصول یہ ہے کہ دنیا میں تمام افرادِ انسانیہ کی ضروریاتِ زندگی پوری ہوں اور ان کی مضمر انسانی صلاحیتوں کی مکمل نشوونما ہوتی جائے۔ اس نظام کو متشکل کرنے والوں کا فریضہ یہ ہے کہ وہ دوسروں کی ضروریات کو اپنی ضرورت پر ترجیح دیں اور دوسروں کی نشوونما میں اپنی ذات کی بالیدگی اور ارتقا کا راز سمجھیں۔ ظاہر ہے کہ جو افراد اس مقصد کے حصول کے لئے منظم کوشش کرنے کے لئے اٹھیں، ان میں پارٹی بازی کی لعنتوں میں سے کسی کا شائبہ تک بھی نہیں ہوگا۔ وہ دوسروں سے نفرت نہیں، ہمدردی کریں گے۔ وہ ان کی بہبود کا سامان مہیا کرتے پھریں گے۔ وہ اس میں اپنے اور پرائے کی کوئی تمیز روا نہیں رکھیں گے۔ وہ اپنے کام کی ابتداء بے شک کسی ایک مقام سے کریں گے لیکن پوری نوع انسانی ان کی برادری اور ساری دنیا ان کا گھر ہوگی۔ ان کی مساعی، خدا کی صفتِ رب العالمینی کی مظہر ہوں گی۔ اس میں ان کے ذمے زیادہ سے زیادہ ایثار اور قربانیاں ہوں گی اور وہ دوسروں کے لئے بیش از بیش نفع بخشیاں اور راحت سامانیاں۔ وہ اپنی عملی زندگی سے اس حقیقت کو نمایاں کردیں گے کہ

عقلِ خود بیں غافل از بہبودِ غیر سودِ خود بیند نہ بیند سودِ غیر
وحیٔ حق بینندۂ سودِ ہمہ! در نگاہش سود و بہبودِ ہمہ!

سرسید کی مثال:

ان افراد کی منظم کوشش کی مثال یوں سمجھئے جیسے کسی وبائی مرض کے زمانے میں شہر کے ڈاکٹر ایک ایسوسی ایشن بنالیں تاکہ اس تباہی کا مقابلہ اجتماعی انداز سے کیا جاسکے۔ ظاہر ہے کہ ان کا اس طرح سے یک جا ہو کر کوشش کرنا دوسروں سے نفرت کے

لئے نہیں بلکہ ان سے ہمدردی کی خاطر ہوگا۔ وہ اگر جراثیم پھیلانے والے عناصر پر پابندیاں لگائیں گے تو اس لئے نہیں کہ انہیں اُن سے دشمنی ہے بلکہ اس لئے کہ اس میں انسانیت کا بھلا ہے۔ وہ ذخیرہ اندوزوں سے دوائیاں باہر نکلوائیں گے تو اس لئے نہیں کہ انہیں نقصان پہنچایا جائے بلکہ اس لئے کہ اس سے زیادہ سے زیادہ جانیں بچائی جاسکیں۔ وہ اپنے آپ کو کبھی ان لوگوں سے الگ تصور نہیں کریں گے۔ وہ انہی میں رہیں گے، انہی میں چلیں پھریں گے۔ نہ انہیں اپنا حزبِ مخالف سمجھیں گے نہ خود ان کی مخالف پارٹی بنیں گے۔ لیکن منظم کوشش سے ان کی فلاح و بہبود کے کاموں میں سرگرمِ عمل رہیں گے۔ پارٹی بنائے بغیر منظم کوشش کی بین مثال ہمیں سرسیدؒ کی زندگی میں ملتی ہے۔ اس نے اپنے حلقہء احباب کی رفاقت اور منظم کوشش سے ایک ایسا تعمیری کام کیا جس کی نظیر اس دور میں نہیں ملتی۔ لیکن اپنے دامن کو پارٹی بازی کی خباثت سے آلودہ نہیں ہونے دیا۔ میرے پیشِ نظر بھی، برادرانِ عزیز! کچھ اسی قسم کا نقشہ ہے۔ ہم میں سے جو احباب قرآنی نظام کے اس مقصدِ عظیم سے متفق ہوں وہ باہمی تعاون و تناصر سے اس تصور کو عام کرنے لے لئے منظم کوشش کریں۔ انفرادی کوشش کی مثال شیشے کے بکھرے ہوئے چھوٹے ٹکڑوں کی سی ہے جن میں سے ہر ٹکڑے میں الگ الگ عکس دکھائی دیتا ہے۔ اگر انہیں ٹکڑوں کو جوڑ کر ایک بڑا شیشہ بنالیا جائے تو اس میں ایک ہی عکس دکھائی دے گا۔ اس کا نام منظم کوشش ہے۔ اس میں سب سے پہلے ہر فرد کو خود اپنی ذات میں اس تصور کی جھلک پیدا کرنی چاہئے جسے وہ عام کرنا چاہتا ہے۔ اس کی زندگی ایسی ہونی چاہئے کہ ہر شخص دور سے پہچان لے کہ قرآنی فکر کو اپنے دل و دماغ پر مستولی کر لینے والوں کی سیرت ایسی ہوتی ہے پھر اسی سیرت و کردار کو لیکر وہ آگے بڑھیں اور دوسروں کو سمجھائیں کہ دین کا مقصود کیا ہے اور قرآنی نظام ربوبیت میں معاشرہ کی شکل کیا ہوگی۔ اس میں کس طرح ہر فرد کی انسانی صلاحیتوں کو نشوونما کا سامان مہیا ہوگا۔ کسی کی حق تلفی نہیں ہوگی، کسی پر زیادتی نہیں ہوگی، کوئی کسی کو لوٹے گا نہیں، کوئی کسی سے کچھ چھینے گا نہیں۔ ہر ایک کو جنتی آسائشیں نصیب ہوں گی اور اس طرح تمام افراد (تابحدِ بشریت) صفاتِ خداوندی کو اپنے اندر منعکس کرتے ہوئے انسانیت کی ارتقائی منزلیں طے کرتے چلے جائیں گے۔ طوبیٰ لھم وحسن مآب۔ وہ اس کو عام کرتے جائیں گے اور اس مقصد کے حصول کے لئے کسی قسم کے ناجائز ذریعے کے استعمال کا تصور تک بھی اپنے دل میں نہ لائیں گے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس تصور کو عام اور اس نظام کو متشکل کرنے کی کوششوں میں، ملوکیت، پیشوائیت، اور سرمایہ دار، تینوں کی طرف سے مخالفت ہوگی اور سخت مخالفت۔ لیکن وہ اس مخالفت کے مقابلہ میں بھی دامنِ حق وصداقت کو کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑیں خواہ اس میں (بظاہر) کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہو۔

نماز، روزہ:

جو لوگ قرآنی نظام کے اس تصور سے متفق ہو کر یک جا ہوں گے، ظاہر ہے کہ وہ مختلف فرقوں سے نکل کر ادھر آئیں گے۔ چونکہ یہ حضرات کسی نئے فرقے میں داخل نہیں ہو رہے، اس لئے وہ اپنے اپنے طریق پر نماز روزہ اور دیگر اسلامی شعائر کے پابند رہیں گے۔ اس میں کسی کو دوسرے پر اعتراض کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ جیسا کہ میں بار بار کہہ چکا ہوں، ان

طریقوں میں تغیر وتبدل کا حق صرف اسلامی نظام کو ہے، کسی فرد یا افراد کے مجموعے کو نہیں۔ اس طرح برادران! یہ منظم کوشش، اس تصور کو عام کرنے کا مؤثر ذریعہ بن سکے گی۔ باقی رہا یہ کہ ہمارے مخالفین اِس منظم کوشش کو بھی نیا فرقہ یا پارٹی قرار دے کر ہمیں بدنام کریں گے، سو ان کا تو کام ہی یہ ہے کہ ہمیں بدنام کریں، ہم ان کی زبان تھوڑا پکڑ سکتے ہیں۔ سوال یہ نہیں کہ مخالفین اس کے متعلق کیا کہیں گے، اصل سوال یہ ہے کہ آپ اپنی سیرت و کردار اور فکر و عمل سے کیا بن کر دکھائی دیں گے۔

آئینی تبدیلی:

بعض حضرات کہا کرتے ہیں کہ اگر ہم نے اس فکر کو عام بھی کر دیا تو اس سے کیا حاصل ہوگا۔ قرآن کا مقصد تو اس نظام کو عملاً متشکل کرنا ہے۔ کیا اس فکر کی عام نشر و اشاعت سے یہ نظام متشکل ہو جائے گا؟ اس کی خدمت میں گزارش ہے کہ اب تو خود زمانہ کے تقاضوں نے حالات میں ایسی تبدیلی پیدا کر دی ہے کہ کسی خیال کے عام کر دینے سے معاشرہ کا نظام خود بخود اس کے مطابق متشکل ہو جاتا ہے۔ یہ زمانہ جمہوریت کا ہے جس میں انقلاب آئینی طور پر (CONSTITUTIONALLY) برپا ہوتے ہیں۔ جمہوریت کے معنی یہ ہیں کہ جس خیال کے حامل زیادہ ہوں اسی کے مطابق نظامِ مملکت متشکل ہو جائے۔ آپ اس فکر کو عام کیجئے اور پھر دیکھئے کہ کس طرح ایک قطرۂ خون بہائے بغیر یہ انقلاب معرضِ وجود میں آ جاتا ہے۔

ندارد عشق سامانے ولیکن تیشۂ دارد خراشد سینۂ کہسار و پاک از خونِ پرویز است

نادان دوست:

قرآنی نظامِ ربوبیت خود اپنے اندر اتنی قوت رکھتا ہے کہ دنیا کا کوئی اور نظام یا تصو اس کے سامنے ٹھہر ہی نہیں سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسے ابھی تک دنیا کے سامنے پیش ہی نہیں کیا گیا۔ لیکن یہ بھی نہایت ضروری ہے کہ جو حضرات اسے دوسروں کے سامنے پیش کریں وہ خود اسے اچھی طرح سمجھے ہوئے ہوں۔ اس لئے کہ تجربہ نے یہ بتایا ہے کہ اس تحریک کو اتنا نقصان مخالفین کے ہاتھوں سے نہیں پہنچا جتنا اُن موافقین کی طرف سے پہنچا ہے جو اس کی ماہیت سے خود اچھی طرح واقف نہیں ہوتے اور لوگوں سے طرح طرح کی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ ان کی یہی باتیں مخالفین کے لئے اعتراضات کی بنیاد بن جاتی ہیں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ آپ حضرات کی خود قرآن پر نگاہ ہو۔ ایسی نگاہ کہ اگر کبھی میں بھی غلطی سے کوئی ایسی بات کہہ دوں جو قرآن کے مطابق نہ ہو تو آپ مجھے فوراً ٹوک دیں۔ یاد رکھئے! دین میں سند اور حجت میرا بھی کوئی قول نہیں ہو سکتا۔ سند اور حجت صرف خدا کی کتاب ہو سکتی ہے۔

❁❁❁❁❁❁

برادران! میں نے آپ سے جو کچھ عرض کرنا تھا کر چکا۔ آخر میں مَیں پھر اُنہی الفاظ کو دُہراتا ہوں جن سے میں نے بات شروع کی تھی۔ یعنی یہ اجتماع کس قدر مبارک اور مسعود ہے جو اس مقصد کے لئے منعقد ہوا ہے کہ سوچا جائے کہ قرآنی فکر کی نشر و اشاعت کے لئے کیا کیا مؤثر طریق اختیار کئے جائیں تاکہ اس خطۂ زمین میں قرآن کا نظام متشکل ہو کر سامنے آ

جائے۔ اس ضمن میں میں اپنی طرف سے اور آپ تمام حضرات کی طرف سے، لاہور کے احباب کی خدمت میں ہدیہ سپاس وتہنیت پیش کرتا ہوں جنہوں نے اس سب سے پہلے اجتماع کا بار اپنے کندھوں پر اٹھایا۔ چہ عجب کہ ان کی نہی مختصر سی کوشش آیندہ چل کر ایک ایسے شجر طیب کا بیج ثابت ہو جس کی جڑیں پاتال میں اور شاخیں آسمان کو چھو رہی ہوں۔ کیا عجب کہ یہی مقام ہماری تاریخ میں وہ موڑ بن جائے جہاں سے، کاروانِ اُمت ایک بار پھر قرآن کے متعین کئے ہوئے جادہء مستقیم پر گامزن ہو جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا اپنے غلط تصورات اور ناکام نظامہائے زندگی کو آزما کر اس قدر تنگ آ چکی ہے کہ وہ صحیح نظامِ زندگی کے لئے بصد حسرت و یاس چاروں طرف تک رہی ہے۔ آپ نے میری تالیف ''انسان نے کیا سوچا؟'' میں دیکھا ہوگا کہ

سب اپنے بنائے ہوئے زنداں میں ہیں محبوس — خاور کے ثوابت ہوں کہ افرنگ کے سیّار
پیرانِ کلیسا ہوں کہ شیخانِ حرم ہوں — نے جدتِ گفتار ہے نے جدتِ کردار
ہیں اہل سیاست کے وہی کہنہ خم و پیچ — شاعر اسی افلاسِ تخیل میں گرفتار
دنیا کو ہے اس مہدیء برحق کی ضرورت — ہو جس کی نگہ زلزلۂ عالمِ افکار

یہ مہدیِ برحق قرآنی نظام کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ اس لئے اگر دنیا کے سامنے اِس نظام کی کرن کہیں سے بھی آ گئی تو وہ لپک کر اس کی طرف بڑھے گی۔ زمانے کے تقاضے دنیا کو خود قرآن کی طرف کشاں کشاں لئے آ رہے ہیں یورپ اور امریکہ کے جو ریسرچ اسکالرز میرے پاس آتے ہیں ان کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ دُنیا کس طرح قرآنی نظام کے لئے تڑپ رہی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کے لئے وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ کی سعادت کسے حاصل ہوتی ہے۔ زمانہ اس قسم کے خوش بخت انسانوں کو آوازیں دے دے کر بلا رہا اور اُن سے پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ

خیز وبخاکِ تشنہء بادۂ زندگی فشاں — آتشِ خود بلند کن آتشِ مافرونشاں

اس لئے کہ

مے کدۂ تہی سبو حلقۂ فرامشاں — مدرسہ بلند بانگ بزمِ فسردہ آتشاں
فکر گرہ کشا غلام۔ دیں بروایتے تمام — زانکہ درونِ سینہ ہا دل ہدفے است بے نشاں

آپ حضرات کی کوششیں درخور ہزار تبریک وتحسین ہیں جنہوں نے اس مقصد کے لئے اپنا قدم آگے بڑھایا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ ہم غریب اور نادار ہیں۔ ہم بے بضاعت اور بے سروسامان ہیں۔ لیکن قرآن اس پر شاہد ہے کہ آسمانی انقلاب کی ابتداء ہمیشہ غریبوں اور ناداروں کی طرف سے ہوئی ہے۔ اس لئے کہ اس انقلاب کا پہلا قدم یہ ہوتا ہے کہ رزق کے سرچشمے قارونوں کے ہاتھ سے چھین کر قانونِ خداوندی کی تحویل میں دے دیئے جائیں۔ اس لئے قرآنی نظام کی تحریک کو سرمایہ دار طبقہ کی تائید حاصل ہو ہی نہیں سکتی۔ لہٰذا آپ اپنی بے بضاعتی سے بالکل نہ گھبرائیں۔

فقر جنگاہ میں بے ساز و یراق آتا ہے — ضرب کاری ہے اگر سینے میں ہے قلبِ سلیم

آپ کے پاس تو قرآن کا وہ عصائے کلیمی ہے جو ساحرین کی نظر فریب رسیوں کو یونہی نگل جائے گا۔ آپ تو عظیم قوتوں کے مالک ہیں۔

بچشم کم مبیں تنہائیم را کہ من صد کارواں گل در کنارم

قرآن آپ کو پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ

اگر ایک قطرہ خوں داری اگر مشتِ پر سے داری بیان باتو آموزم طریقِ شاہبازی را

لیکن اس حقیقت کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھیئے کہ قرآنی نظام کی تحریک میں وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ کے حصہ میں سختیاں ہی سختیاں ہوتی ہیں۔ ان کے ذمے قربانیاں اور قربانیاں ہی ہوتی ہیں۔ انہیں لہو پسینہ ایک کر کے اس بیج کو بونا ہوتا ہے۔ کاٹنا پتہ نہیں کس کے نصیب میں ہو۔ لہٰذا اس راستہ میں جس قدر محنت درکار ہوگی اس کا اندازہ لگا لینا ضروری ہے۔ اسے اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ

تختِ جم ودارا سرِ راہے نفرو شند ایں کوہِ گران است بکا ہے نفروشند
باخونِ دلِ خویش خریدن دگر آموز

آپ اسے بھی سوچ لیجئے کہ آپ اس آواز کو لے کر اُٹھ تو رہے ہیں لیکن اگر آپ کی غفلت یا کم ہمتی سے یہ آواز ناکام رہ گئی تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ قرآنی نظام تھوڑے عرصہ تک قائم رہا اور اس کے بعد یہ جنت آدم سے چھن گئی۔ معترضین کا کہنا یہ ہے کہ اگر اس نظام میں چلنے کی سکت ہوتی تو یہ آگے کیوں نہ بڑھتا۔ (میں اس اعتراض کا جواب کئی مرتبہ دے چکا ہوں) صدرِ اول کے بعد ہماری تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ قرآنی نظام کی آواز بلند ہو رہی ہے۔ اگر یہ آواز ہماری کمزوریوں کی وجہ سے ناکام رہ گئی تو اس نظام کے متعلق سطح بین نگاہوں کا شبہ یقین میں بدل جائے گا کہ اس میں واقعی عملاً قائم ہونے اور آگے بڑھنے کی صلاحیت نہیں۔ اس لئے برادران! آپ سوچ لیجئے کہ اس نظام کے داعی بننے سے پہلے آپ کتنی عظیم ذمہ داری اپنے سر پر لے رہے ہیں۔ آپ کی ناکامی، آپ کی ناکامی نہیں سمجھی جائے گی۔ خود اس نظام کی ناکافی قرار پا جائے گی۔ اس لئے یا تو اس کے لئے قدم ہی نہ اٹھایئے اور اگر قدم اٹھانا ہے تو پھر اس قدم کو پیچھے نہ ہٹایئے۔ آپ جو فیصلہ بھی کیجئے، سوچ سمجھ کر کیجئے۔ محض جذبات کی بنا پر نہ کیجئے۔ یہ معاملہ بڑا نازک ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہماری وجہ سے قرآن کا پیغام بدنام ہو جائے۔ قرآن کا نظام تو بہر حال قائم ہو کر رہے گا۔ اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ لیکن ایسا نہ ہو کہ جب اس کی تاریخ سامنے آئے تو اس میں ہمارے متعلق یہ درج ہو کہ ان کی وجہ سے اسے اور دھکا پیچھے کی طرف لگا تھا۔ اگر ایسا ہوا تو پھر ہم کہیں کے نہ رہیں گے۔ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿22:11﴾۔

کمیونزم کا سیلاب:

لیکن اس کے لئے اگر ہمیں کچھ کرنا ہے تو بہت جلد کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ کمیونزم کا سیلاب بڑی تیزی سے بڑھتا چلا آ رہا ہے (اور مشرقی پاکستان تو بالکل اس کی زد میں دکھائی دے رہا ہے۔ بلکہ وہاں کی حالت تو کچھ ایسی نظر آ رہی ہے گویا..... صید خود

صیاد گوید بگیر۔) اور اس سیلابِ فنا کو صرف نظامِ ربوبیت کا بند ہی روک سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے کرنے کا کام یہ ہے کہ اس نظام سے متعلق لٹریچر یہاں سے وہاں تک پھیلا دیا جائے۔ اور مختلف زبانوں میں اس نظریہ کو عام کیا جائے جو کچھ اس سلسلہ میں اب تک لکھا جا چکا ہے وہ کافی سے بھی زیادہ ہے۔ ضرورت صرف اس کے عام کرنے کی ہے۔ وبیدہ التوفیق!

❁❁❁❁❁❁

برادرانِ عزیز! اس وقت تک اس تقریب کی اجتماعی حیثیت کے متعلق گفتگو تھی۔ اب آخر میں چند الفاظ ذاتی حیثیت سے عرض کرنے کی بھی اجازت چاہتا ہوں۔ آپ حضرات کا یہ اجتماع، اس بلند مقصد کے علاوہ، جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے، خود میری روح کے لئے کس قدر رقص آور اور نشاط انگیز ہے اور یہ میری جبینِ نیاز میں چھپے ہوئے سجداتِ تشکر و امتنان کو کس طرح دعوتِ زمین بوسی دے رہا ہے اس کا اندازہ شاید آپ نہ کر سکیں۔ جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا ہے، میری ساری زندگی ان رفیقوں کی تلاش میں گزری ہے جو میرے سفر کی تنہائیوں میں میرا ساتھ دے سکیں۔ حضرت علامہؒ کے الفاظ میں:

میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو

یہ تلاش کس قدر جانکاہ اور یہ جستجو کیسی صبر آزما تھی، اس کا اندازہ مشکل ہے۔ مجھے کئی ایسے مراحل یاد ہیں جب میں اس تنہائی سے تھک کر انتہائی کرب و الم میں پکار اٹھتا تھا کہ:

یا بکش در سینۂ من آرزوئے انقلاب یا دگرگوں کن نہادِ ایں زمان و ایں زمیں
یا چناں کن یا چنیں

لیکن اس رفیقِ اعلیٰ کی چارہ سازیوں اور عاجز نوازیوں کا تصدق ہے کہ میں آج آپ حضرات کے مجمع کو اپنے سامنے دیکھ کر انتہائی وجد و مسرت کے عالم میں کہہ سکتا ہوں کہ:

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں مرے اب یہاں رازداں اور بھی ہیں

آپ احباب کی رفاقت میری اُمیدوں کا مرکز، میری تمناؤں کا محور، میری آرزوؤں کی تکمیل کا ذریعہ، میری ہمتوں کا سہارا، میرے جینے کی خوشی اور میری موت کا اطمینان ہے۔ میں ایک فقیرِ بے نوا آپ احباب کے لئے کوئی تحفہ نہیں لا سکا۔ البتہ میری قرآنی فکر میری متاعِ عزیز ہے جس کی میں اس وقت تک تنہا حفاظت کرتا اور چراغِ تہِ داماں کی طرح زمانے کے جھکڑوں سے بچاتا رہا۔ یہ متاعِ عزیز آپ احباب کی خدمت میں حاضر ہے۔

بگیر ایں ہمہ سرمایۂ بہار ازمن کہ گل بدست تو از شاخِ تازہ ترماند

اسی کے لئے میں تمام عمر دعائیں کرتا رہا کہ:

مرے دیدۂ تر کی بے خوابیاں مرے دل کی پوشیدہ بے تابیاں
مرے نالۂ نیم شب کا نیاز مری خلوت و انجمن کا گداز

اُمنگیں مِری آرزوئیں مِری یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر
اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر مِرے قافلے میں لُٹا دے اِسے
لُٹا دے ٹھکانے لگا دے اِسے
رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ط اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

پرویزؔ

❁❁❁❁❁❁

اس کنونشن میں پرویزؔ صاحب کے دوسرے خطاب کا عنوان تھا ''مقامِ محمدی ﷺ'' (وہ الگ شائع ہو چکا ہے)

پرویزؔ صاحب کی وضاحتی تقریر

17 نومبر کے دن کے اجلاس میں پرویزؔ صاحب نے ایک وضاحتی تقریر میں فرمایا۔

گزشتہ تین دن سے ہمارے اجلاس ایک ضابطہ کی پابندیوں کے ساتھ ہو رہے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اب ہم کچھ دیر کے لئے ضابطے کی پابندیوں سے آزاد ہو کر گھر کی طرح اپنے دکھ درد کی باتیں کریں۔ وقت تھوڑا بھی ہے اور ابھی بہت سے کرنے کے کام ہیں۔

بلا رہی ہے تجھے ممکنات کی دنیا

ہم بھی دوسرے مسلمانوں جیسے ہی ہیں:

ایک ضروری بات مجھے اس مجلس میں عرض کرنی ہے اور وہ یہ کہ میں کل سے بعض مندوبین کے اس قسم کے اعلانات سُن رہا ہوں کہ ''میں پچھلے سال سے مسلمان ہوا ہوں۔ میں تین سال قبل مسلمان ہوا'' وغیرہ وغیرہ۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ احباب جو کچھ کہنا چاہتے ہیں وہ کچھ اور ہے لیکن اس کے لئے یہ الفاظ قطعاً ناموزوں بلکہ گمراہ کن ہیں۔ ہم پہلے بھی مسلمان تھے اور اب بھی مسلمان ہیں۔ ویسے ہی مسلمان جیسے ملت کے دیگر افراد مسلمان ہیں۔ ان میں اور ہم میں اس کے سوا کوئی فرق نہیں کہ ہم یہ سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ خدا نے جو ہمارے لئے تجویز کیا تھا اس کے حقیقی خط و خال کیا تھے اور اب وہ اس خطہء زمین میں کس طرح عملاً رائج ہو سکتا ہے، اس سے ہم باقی مسلمانوں سے کسی صورت میں بھی نہ مختلف ہو سکتے ہیں نہ کسی حیثیت سے افضل۔ باقی رہا اس دعویٰ کا معنوی پہلو کہ ''ہم اتنے برس سے مسلمان ہوئے ہیں'' تو یہ بھی صحیح نہیں۔ اس لئے کہ مسلمان ہونا کوئی بچوں کا کھیل نہیں۔

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے

اور۔۔

لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

حضرت علامہ نے دوسری جگہ اسی حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ

چومی گویم مسلمانم بلرزم کہ دانم مشکلات لا الہ را

تو پھر بتایئے کہ ہم میں کون ہے جو یہ دعویٰ کر سکے کہ معنوی نقطہء نظر سے ہم واقعی مسلمان ہیں۔ میرا یہ دعویٰ ہے کہ اگر ہم چند آدمی ہی، جو یہاں موجود ہیں، مسلمان بن جائیں تو نظامِ عالم میں ایک انقلابِ عظیم آ جائے

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

سوچئے کہ ایسی صورت میں ہمارے یہ مسائل ومشکلات باقی رہ سکتے ہیں؟ قرآن تو یہ کہتا ہے کہ اگر تم مسلمان ہو تو اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے بھی آگے بڑھتے چلے جاؤ گے۔ اگر ہم واقعی تین سال سے صحیح معنوں میں مسلمان بن چکے ہوتے تو آج تقدیرِ عالم بدل چکی ہوتی۔ ہمیں ایسا دعویٰ معنوی طور پر نہیں کرنا چاہیئے جس کی تائید ہماری سیرت وکردار کی رو سے ثابت نہ ہو۔

نماز کی اہمیت:

میں نے ایسی باتیں بھی سنی ہیں کہ بعض اراکینِ بزم یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اب جو اسلام کو سمجھا ہے، اس کی بناء پر نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا ''طلوع اسلام'' نے آپ کو یہی تعلیم دی ہے کہ نماز نہ پڑھنے پر فخر کرو؟ آپ نے غیر قرآنی روشِ زندگی کو تو نہ چھوڑا اور اس کے بجائے اس قسم کی باتیں کرنے لگ گئے اور ستم بالائے ستم کہ اپنے آپ کو طلوع اسلام کی تحریک سے وابستہ ظاہر کر کے ایسی باتیں کرنے لگے۔ طلوع اسلام پر آخر یہ کتنا بڑا الزام ہے جو آپ نے عاید کر دیا۔

ذاتی طور پر مجھ میں بھی کمزوریاں ہیں اور میں ہمیشہ اپنی کمزوریوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ لیکن یہ انتہائی ظلم ہے کہ ہم اپنی کمزوریوں کے لئے جواز کی صورتیں تلاش کرنے لگ جائیں۔ آپ قرآنی نظریات کیخلاف سب کچھ کر رہے ہیں، تجارت، کاروبار، شادی، رشتے ناطے سب کچھ ہو رہا ہے۔ بینک بیلنس برابر قائم ہیں۔ قرآن کے مطابق انہیں بدلنے کے لئے آپ کے ذہن میں کبھی کچھ نہیں آیا، پھر نماز کے بارے میں ایسا کیوں ہے؟ بعض گوشوں سے آوازیں آئیں کہ یہ بھی ہمارے مخالفین کا پروپیگنڈا ہے جو طلوع اسلام کی تحریک سے وابستگی ظاہر کر کے اس قسم کی باتیں مشہور کرتے رہتے ہیں۔ محترم پرویزؔ صاحب نے سلسلہء کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا، ہم معاشرے میں اصلاح کا آغاز اپنے گھروں سے ہی کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر پہلے خود ہی نماز روزہ چھوڑ دیں تو پھر اصلاح کس طرح ہوگی؟ خدارا اپنے قول وعمل کو بصیرت علم اور خلوص پر مبنی رکھیئے۔ ''مقدس بہانے'' تلاش نہ کیجئے بلکہ اعتراف کیجئے اپنی کمزوریوں کا۔ ہم نے قرآنی معاشرہ قائم کرنا ہے جو صرف نیک اور پاکباز زندگی بسر کرنے سے قائم ہو سکے گا۔

ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے دین کا تصور یوں سمجھا ہے اور جب یہ متشکل ہو جائے گا تو یوں کچھ ہوگا۔ لیکن اس کے لئے آپ بہت سی باتیں اب بھی شروع کر سکتے ہیں۔ مثلاً وعدے کا ایفا۔ سچ بولنا اور دغا نہ کرنا وغیرہ وغیرہ۔ اس کے لئے آپ نظامِ قرآنی کے عملاً قیام تک کا انتظار کیوں کر رہے ہیں؟

غلط ذرائع:

آپ کی یہ باتیں میرے سامنے آئیں اور میں نے اصل حقیقت کی وضاحت ضروری سمجھی۔ مجھے آپ کی قراردادوں کے متعلق کچھ نہیں کہنا لیکن میں آپ سے یہ کہوں گا کہ میں نے اپنے خونِ جگر سے ایک چھوٹا سا دیا جلایا ہے اور میری آرزو ہے کہ یہ دیا اسی طرح جلتا ہوا آگے چلے۔ لیکن یہ محض روپے کے تیل سے ہی نہیں جلے گا کیوں کہ جس خونِ جگر سے اسے جلایا گیا وہ سونے کے تیل سے زیادہ قیمتی ہے۔ اسے جلائے رکھنے کے لئے اندرونی حرارت اور چنگاریوں کی ضرورت ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ کسی فکر کو عام کرنے کے لئے روپے کی ضرورت بھی ناگزیر ہے۔ لیکن روپیہ ہی سب کچھ نہیں۔ حضرت علامہؒ کے الفاظ میں:

سبب کچھ اور ہے تو جس کو خود سمجھتا ہے زوال بندہء مومن کا بے زری سے نہیں

اس مقدس کام کے لئے غلط ذرائع اور وسائل کا خیال تک دلوں میں نہ لایئے کیونکہ حق کی راہ میں باطل طریق پر اُٹھایا ہوا ایک قدم سب کچھ غارت کر دیتا ہے۔

غلط ذرائع کے ساتھ یہ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کا دیا نہیں بنے گا۔ ہماری تحریک کا ہر رکن ایسا مبلغ ثابت ہو کہ لوگ دیکھتے ہی پکار اٹھیں کہ وہ دیکھئے قرآنی فکر کا جیتا جاگتا پیکر آ رہا ہے۔ رسول خداﷺ سے جب حضورﷺ کی صداقت کی دلیل طلب کی گئی تو کفار کے چیلنج کے جواب میں کہا یہی گیا کہ:

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶﴾ (10:16)

میں نے اس سے قبل اپنی ساری عمر تمہاری اندر بسر کی ہے کیا تم اس سے نہیں اندازہ لگا سکتے کہ میں سچا ہوں یا جھوٹا؟ میرے دعویٰ کی صداقت کی دلیل خود میری زندگی ہے۔

اس حقیقت کو یاد رکھئے کہ قرآنی راہ پر چلنے کی دعویدارگی دشمنوں کے ہجوم میں ایک بلند بانگ دعویٰ ہے۔ خارجی وسائل سے یہ کٹھن راہ طے نہ ہوگی۔ ہماری تحریک کے بیج دلوں کی گہرائیوں سے ابھرینگے اور ان کے برگ وبار سب کو بتا دیں گے کہ نظامِ ربوبیت کیا ہے؟ محض لٹریچر کی اشاعت بھی کچھ نہ کر سکے گی۔ آدم سے کہا گیا تھا وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾ (2:36) زمین ہمارا ٹھکانہ ہے ہم اس کے سہارے ضرور لیں گے۔ لیکن ان سہاروں کی نوعیت کشتی کے لئے پانی کے سہارے کی سی ہونی چاہیئے۔ وہی پانی جب سیلاب بن کر کشتی پر مسلط ہو جاتا ہے تو آپ جانتے ہیں کہ کشتی کا انجام کیا ہوتا ہے۔ اس لئے مالی سہاروں کو سیلاب کی طرح اپنی جدوجہد کے سفینے پر مسلط نہ ہونے دیجئے۔ ایمانی قوت کو ان سہاروں پر غالب رکھیئے۔ قرآنی انقلاب کو محسوس شکل میں دنیا کے سامنے لانے کے لئے عزم وہمت، خلوص وایثار اور سچے ولولوں سے کام لیجئے اور یقین رکھئے۔

پرویزؒ صاحب کی اس تقریر کے بعد اجلاس نماز ظہر کے لئے ملتوی ہو گیا۔

الوداعی تقریر:

18 نومبر کی صبح پرویز صاحب نے اپنی الوداعی تقریر میں فرمایا:

یہ سوال بار بار دہرایا جاتا ہے کہ اُس معاشرے سے جسے قرآن متشکل کرتا ہے، انسان کو کیا ملے گا؟ اور وہ نظام جسے ''نظام ربوبیت'' کہتے ہیں انسانی زندگی میں کس قسم کی خوشگواریاں پیدا کرتا ہے؟ آج کے اجلاس میں اس امر کی وضاحت کرنا بڑے کام کی بات ہوگی کہ بدنصیب انسان کو آخر اس نظام سے ملے گا کیا؟ لیکن اس کے لئے آپ پہلے یہ سوچئے کہ وہ کونسی چیز ہے جس کے لئے انسان کے سینے میں تڑپ اور خلش برپا ہے؟ اقوامِ عالم کی تاریخ پر نظر ڈالئے۔ ایک ایک واقعہ اس امر کی شہادت دے گا کہ انسان کی انتہائی آرزو ہر دور میں یہی رہی ہے کہ اسے آزادی مل جائے۔ جب بھی کسی قوم نے آزادی حاصل کی گھی کے چراغ جلائے گئے اور خوشی کے شادیانے بجے۔ لیکن آج تک آزادی کے صحیح مفہوم کا تعین نہ ہوسکا۔ قرآن آیا اور اس نے آکر بتایا کہ نبی کی آمد کا مقصد کیا ہوتا ہے۔ کہا کہ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ (7:157) (یعنی رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ انسانیت جن زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھی وہ انہیں توڑ دے تاکہ انسانیت سرفرازی سے چلنے کا قابل ہوسکے۔ لیکن یہ سوال پھر بھی قائم رہتا ہے کہ آزادی کسے کہتے ہیں؟

قرآن کا اعجاز یہ ہے کہ وہ کسی معاملہ کو تشنۂ تکمیل نہیں چھوڑتا۔ چنانچہ اُس نے آزادی کا مفہوم واضح کرتے ہوئے اعلان کیا:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿79﴾ (3:79)

کسی انسان کو اس کا حق نہیں پہنچتا کہ اللہ اسے کتاب، حکومت اور نبوت دے اور وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میری غلامی اختیار کرو۔ اسے کہنا چاہیئے کہ تم سب ربانی بن جاؤ اس کتاب کے ذریعے جس کی تعلیم کو تم اپنے دلوں پر نقش کرتے ہو۔ قرآن نے آزادی کی تعریف کردی اور اس کا دائرہ متعین کردیا۔ اس نے بتایا کہ آزادی سے مفہوم یہ ہے کہ انسان سے صرف خدا کے قانون کی اطاعت کرائی جائے، کسی انسان کی اطاعت نہ کرائی جائے۔

❁❁❁❁❁

محترم پرویز صاحب نے حضور رسالتمآب ﷺ، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور کی مثالوں سے واضح کیا کہ اسلام اس حقیقت کا علمبردار ہے کہ نہ تو انسان کی آزادی کسی جانب سے مجروح ہونے پائے اور نہ ہی اُسے اس قدر کھلا چھوڑ دیا جائے کہ وہ بے باکیوں پر اُتر آئے۔ اس ضمن میں سیرتِ نبی اکرم ﷺ کے ایسے درخشندہ اور تابناک گوشے وجہء شادابیء قلب ونظر ہوئے جن سے بصیرت کی فضائیں جگمگا اُٹھیں۔ اس کے بعد پرویز صاحب نے مندوبین کو بالخصوص مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ''میں نے قرآنی فکر کا ایک چھوٹا سا دیا جلایا تھا اور کئی سالوں سے اسے ہاتھوں میں اُٹھائے آگے بڑھ رہا ہوں۔ اس دیئے کو روشن رکھنا اب آپ کا کام ہے۔ اس کے لئے سینوں کی حرارت کی ضرورت ہے اور مجھے یقین ہے کہ یہ روشنی آپ کے دلوں کی حرارت سے پھیلتی چلی جائے گی۔

خونِ دل وجگر سے ہے سرمایۂ حیات

آپ اپنی بے سروسامانیوں پر نہ جایئے۔ اسلام کی روشنی میں دنیا کا انقلابِ عظیم ان مجاہدوں کے ہاتھوں برپا ہوا جن کے پاس جنگ میں لے جانے کے لئے سواری تک نہ تھی۔ قرآن کا پیغام زبان اور الفاظ کے زور پر نہیں پھیلے گا۔ آپ کی زبان خاموش ہو لیکن دیکھنے والے آپ کو دیکھ کر کہیں کہ وہ دیکھئے قرآن کے نظامِ ربوبیت کا علمبردار آ رہا ہے۔

آپ کے متعلق بہت مشہور کیا جا رہا ہے۔ بہت سی غلط فہمیاں پھیلائی جا رہی ہیں لیکن آپ اپنے عمل سے ثابت کر دیجئے کہ آپ نہ کوئی مذہبی فرقہ ہیں اور نہ سیاسی پارٹی۔ ہم ملت کی کشتی میں دوسرے بھائیوں کے ساتھ ہی سوار ہیں اور اگر (خدانخواستہ) یہ کشتی ڈوبی تو ہم بھی سب کے ساتھ ہی ڈوبیں گے۔

ہماری خوش نصیبی ہے کہ اسلامی نظام کے لئے ہمیں ایک خطۂ زمین حاصل ہو گیا۔ اس خطہء زمین اور اس کے حصول کی تحریک سے ''طلوعِ اسلام'' کی وابستگی بھی اس بنا پر تھی کہ دین کا تمکن خطۂ زمین کے بغیر ممکن نہیں۔ وہ خطۂ زمین ہمیں مل گیا۔ اب ہماری جدوجہد یہ ہے کہ وہ دین اس سرزمین پر متشکل ہو جائے۔ آپ کی طرف سے کوئی حرکت ایسی سرزد نہیں ہونی چاہئے جس سے پاکستان کے خطۂ زمین کو کسی قسم کا ضعف پہنچے۔ اس کی حفاظت آپ کا اولین فریضہ ہے خواہ اس کے لئے اپنی جان تک بھی کیوں نہ دینی پڑ جائے۔ آخر میں پرویزؔ صاحب نے خدا کی بارگاہ میں دعا کرتے ہوئے انتہائی سوز کے عالم میں کہا۔

''اے خدائے کائنات! ہم جذبہء صادقہ کی پونجی لے کر تیری بارگاہ میں حاضر ہوئے ہیں اسے قبول فرما۔'' اُن کی آنکھوں سے عجز وخلوص کے آنسو بہہ نکلے اور اُن کی آواز جوشِ تاثر سے بھرا گئی۔

❁❁❁❁❁

تین دن کی پُر بہار سرگرمیوں اور سوز وگداز کی حرارتوں سے معمور یہ اجتماع اس طرح ختم ہوا۔ اس کے بعد جب یہ تمام رفقائے سفر ایک دوسرے سے گلے مل کر رخصت ہو رہے تھے تو وہ سماں بڑا ہی دردانگیز اور رقت آمیز تھا۔ ہر ایک کی آنکھوں میں آنسو اور لب پر پُر خلوص دعائیں تھیں۔ ایسا نظر آتا تھا کہ محبت اور خلوص کا بحرِ بے پایاں ہے جو یہاں سے وہاں تک ٹھاٹھیں مارتا چلا جا رہا ہے۔ محترم پرویزؔ صاحب نے ایک ایک رفیق کو گلے مِل کر رخصت کیا۔ ان کی اپنی آنکھوں سے بھی آنسوؤں کی جھڑی رواں تھی اور ملنے والوں کے دل بھی پانی بن کر آنکھ کے چشموں سے اُبلتے جا رہے تھے۔ چنانچہ ہزاروں دعاؤں اور دوبارہ اسی طرح ملنے کی لاکھوں تمناؤں کے ساتھ یہ اجتماع دوپہر کے بعد اختتام پذیر ہوا۔ اس آرزو کے ساتھ کہ

وداع و وصل جداگانہ لذتے دارد
ہزار بار برد صد ہزار بار بیا

لاہور کی سرزمین نے ہزاروں اجتماعات دیکھے ہوں گے لیکن اس انداز کا اجتماع اس سے پہلے اس کی نظروں سے شاید ہی گزرا ہوگا۔ اس لئے کہ اس میں خلوص اور محبت اور قرآن سے والہانہ شیفتگی اور ذاتِ رسالتمآب ﷺ سے بے پناہ عشق کا جذبہ کچھ اس انداز سے آئینہ پاش تھا کہ ساری فضا نور ونکہت کا حسین پیکر بن رہی تھی۔ خدا اس سرزمین کو اس قسم کے اجتماعات بار بار دیکھنے کی سعادت نصیب کرے۔

علامہ غلام احمد پرویز علیہ الرحمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گذشتہ سے پیوستہ

کیا قائداعظم پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنانا چاہتے تھے؟

(سردار شوکت حیات کو غلط فہمی ہوئی ہے)

مفکرِ قرآن علامہ غلام احمد پرویزؒ کی زندگی کا آخری مضمون

جو پریس میڈیا میں شائع ہوا

کانگریس میں ہمیشہ ایسی تجاویز آتی رہتی ہیں اور پاس ہوتی رہتی ہیں جن کی وجہ سے مذہب اسلام کے تحفظ اور وقار کو ٹھیس نہ پہنچے۔

(مولانا مدنی کا پمفلٹ 'متحدہ قومیت اور اسلام' ص 61)

اس کے برعکس جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں' قائداعظمؒ کا موقف یہ تھا کہ اسلام میں مملکت کی بنیاد مذہب (دین) پر ہوتی ہے' اس لئے ان علماء کا یہ مسلک اسلام کے خلاف ہے' بقول علامہ اقبالؒ:

مُلّا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

قائداعظمؒ اور ان علماء کے اختلاف کی شدت اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ (مولانا) حسین احمد مدنی (مرحوم) نے ان کے خلاف کفر کا فتویٰ صادر فرما دیا تھا اور مسلم لیگ میں مسلمانوں کی شرکت کو حرام قرار دے دیا تھا۔ اس فتویٰ کا جواب (مولانا) شبیر احمد عثمانی نے اپنے ایک مکتوب میں دیا تھا۔

(''رہبر دکن'' 19 اکتوبر 1945ء)

11 اگست 1947ء کی تقریر:

اب آیئے قائداعظمؒ کی 11 اگست 1947ء کی تقریر کی طرف' جسے یہ حضرات ترپ کے پتے کے طور پر استعمال کیا کرتے ہیں اور جس پر محترم جسٹس محمد منیر مرحوم نے بھی اپنے دعویٰ کی بنیاد رکھی تھی اور اتنا کہنے پر ہی اکتفا نہیں کیا کہ اس سے

ثابت ہوتا ہے کہ قائداعظمؒ پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنانا چاہتے تھے بلکہ یہاں تک کہنے میں بھی کچھ باک نہیں سمجھا کہ انہوں نے دوقومی نظریہ کو بھی ختم کر دیا تھا۔ یعنی اتنا ہی نہیں کہ انہوں نے اسلامی مملکت کے تصور کی نفی کر دی تھی' بلکہ سرے سے اس بنیاد ہی کو منہدم کر دیا تھا جس پر تقسیم ہند کی عمارت استوار ہوئی تھی۔ اس تقریر کے سلسلہ میں بات یوں ہوئی کہ جب قائداعظمؒ کو پاکستان کی پہلی مجلس آئین ساز اسمبلی کا صدر منتخب کیا گیا تو انہوں نے (11 اگست 1947ء کو) اس مجلس کو مخاطب کرتے ہوئے ایک تقریر فرمائی۔ اس میں انہوں نے پہلے' قبل از تقسیم کے ہندوستان کے کوائف وحوادث پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ وہاں ہندوؤں اور مسلمانوں میں کس قدر باہمی عداوت کی آگ بھڑکتی رہتی ہے۔ وہاں مسلمان اقلیت میں تھے اور ہندو اکثریت میں' اس لئے وہاں ہمیشہ مسلمانوں کا خون خرابہ ہوتا تھا۔ پاکستان میں صورت حال اس کے برعکس ہوگی۔ یہاں مسلمان اکثریت میں ہوں گے اور ہندو اقلیت میں' اس لئے ہندوؤں کے دل میں یہ خیال پیدا ہوسکتا ہے کہ اب یہاں ان کے ساتھ وہی کچھ ہوگا جو کچھ وہ وہاں مسلمانوں کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ ویسے بھی ہندو مورخوں نے ہندوستان میں مسلمانوں کے دور حکومت کا ایسا بھیانک اور دہشت انگیز نقشہ کھینچ رکھا ہے جس سے ہندو عوام خوف وہراس سے کانپ اٹھتے ہیں۔

بنابریں یہاں کا ہندو اس لئے بھی خائف ہوسکتا تھا کہ اب یہاں جو مسلمانوں کی حکومت قائم ہو رہی ہے تو ماضی کی تاریخ کو یہاں بھی دہرایا جائے گا۔ ہم ہندوستان ٹائمز کا اقتباس پہلے درج کر چکے ہیں جس میں اس نے کہا تھا کہ پاکستان کے ہندوؤں کے دل میں یہی خطرہ لاحق تھا۔ ان تاثرات کو سامنے رکھتے ہوئے قائداعظمؒ نے اپنی اس تقریر میں ہندوؤں کو یقین دلایا تھا کہ پاکستان میں ایسا نہیں ہوگا۔ انہوں نے جملہ اہل پاکستان کو مخاطب کر کے فرمایا:

> تم آزاد ہو' تمہیں اس امر کی کامل آزادی ہے کہ تم اپنے مندروں میں جاؤ یا مسجدوں میں' یا مملکت پاکستان میں کسی اور پرستش گاہ میں' تمہاری ذات یا مسلک کچھ بھی ہو' اس کا امور مملکت سے کچھ تعلق نہ ہوگا۔
>
> اس کے بعد انہوں نے کہا (اور تو اور) انگلستان کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ وہاں عیسائیوں ہی کے دو فرقوں..... رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ..... میں کس قدر کشت وخون ہوا کرتا تھا لیکن اس مملکت نے' اپنی کامل ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے' رفتہ رفتہ ان مناقشات کو مٹا دیا اور ''اب تم پورے انصاف سے کہہ سکتے ہو کہ وہاں رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ نہیں' بلکہ ایک مملکت کے شہری بستے ہیں۔''
>
> اسی طرح.....
>
> میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں اپنے سامنے یہ نصب العین رکھنا چاہئے کہ ایک وقت کے بعد یہاں نہ ہندو' ہندو رہے گا' نہ مسلمان' مسلمان..... مذہبی نقطہ نگاہ سے نہیں' کیونکہ وہ تو ہر فرد کے ذاتی عقیدہ کا سوال ہے۔ ایسا' ان سب کے پاکستان کے شہری ہونے کی حیثیت سے' سیاسی نقطہ نگاہ سے ہوگا۔

یہ ہیں قائداعظمؒ کے وہ الفاظ جنہیں سپر بنا کر یہ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے تشکیل پاکستان کے فوری بعد دوقومی نظریہ کو بھی

خیر باد کہہ دیا تھا اور اسلامی مملکت کے تصور کی تردید کر کے اسے سیکولر بنانے کا اعلان کر دیا تھا۔ اگر قائداعظمؒ کہیں مریخ سے ٹپکے ہوتے اور انہوں نے پہلے پہل یہ الفاظ کہے ہوتے تو اس تقریر سے اس قسم کے استنباط کا شائبہ ہوسکتا تھا۔ لیکن جس شخصیت کی دس سالہ (تحریک پاکستان) زندگی اور اس دوران میں اس کے صدہا صفحات پر مشتمل بیانات' تقاریر' خطابات ہمارے سامنے ہوں' اس کی طرف ان نتائج کو منسوب کرنا جس قدر زیادتی ہے اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ جب ان لوگوں سے اس دلیل کا جواب نہیں بن پڑتا تو وہ (نہایت دیدہ دلیری سے) کہہ دیتے ہیں کہ بے شک قائداعظمؒ دس سال تک یہ دعویٰ کرتے رہے لیکن وہ درحقیقت ایک وکیلانہ حربہ تھا جسے انہوں نے اپنا مقدمہ جیتنے کے لئے اختیار کیا تھا۔ جب کیس کا فیصلہ ان کے حق میں ہو گیا تو اس حربہ کی ضرورت نہ رہی۔ ایسا کہنے والے اتنا بھی نہیں سوچتے کہ یہ کچھ وہ کس شخص کے متعلق کہہ رہے ہیں؟ ہم بر بنائے عقیدت نہیں کہتے' بلکہ یہ حقیقت ہے کہ جو شخص قائداعظمؒ کے کیریکٹر کے متعلق کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے' وہ ان کے خلاف اس قسم کا الزام عائد کرنے کی جرأت کبھی نہیں کر سکتا۔ حق گوئی اور بے باکی ان کے کردار کی ایسی خصوصیت تھی جس کا اعتراف ان کے دشمنوں تک کو تھا۔ لندن ٹائمز نے ان کی وفات پر لکھا تھا:

> قائداعظمؒ نے اپنی ذات کو ایک بہترین نمونہ کے طور پر پیش کر کے اپنے اس دعویٰ کو ثابت کر دیا کہ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں۔ ان میں وہ لچک نہیں تھی جو انگریزوں کے نزدیک' ہندوستانیوں کا خاصہ ہے' ان کے تمام خیالات ہیرے کی طرح قیمتی مگر سخت' واضح اور شفاف ہوتے تھے۔ ان کے دلائل میں ہندو لیڈروں جیسی حیلہ سازی نہیں تھی۔

قائداعظمؒ کی 11 اگست 1947ء کی تقریر کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ انہوں نے جب مجلس آئین ساز سے خطاب کیا تھا تو ملک کے حالات کیا تھے۔ تقسیم ہند کے ساتھ ہی ہندوستان میں ہندوؤں اور سکھوں کے ہاتھوں' مسلمانوں کا قتل عام شروع ہو گیا تھا۔ اس سے وہاں کے مسلمانوں کے دل میں خوف و دہشت کے ایسے جذبات ابھرے کہ انہوں نے اسی میں عافیت سمجھی کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ پاکستان میں آ کر پناہ لے لیں لیکن ان وحشی درندوں نے ان نہتے قافلوں کو بھی نہ چھوڑا۔ راستہ بھر قتل و غارت گری کی وارداتیں ہوتی رہیں۔ ان کی نوجوان لڑکیوں کو ہزاروں کی تعداد میں چھین جھپٹ کر لے گئے۔ ان کے معصوم بچوں کو نیزوں کی انیوں پر اچھالا گیا اور تو اور' دلی سے جو گاڑیاں خود حکومت کے عملہ کو لے کر روانہ ہوئیں۔ (میں بھی انہیں میں شامل تھا) یہاں پہنچنے پر ان میں سے زندہ انسانوں کی بجائے لاشوں کے ٹکڑے برآمد ہوئے۔ ظاہر ہے کہ ان وحشیانہ مظالم کا ردعمل پاکستان کے بعض حصوں میں بھی ہوا اور اس سے یہاں کے غیر مسلم باشندوں (بالخصوص ہندوؤں) کے دل میں خوف و ہراس' بے اعتمادی اور بے چینی کے وساوس پیدا ہوئے۔ آپ سوچئے کہ ایک ایسی مملکت جس کی عمر ابھی ایک دن کی بھی نہ ہوئی ہو' اس قسم کے لرزہ خیز حالات سے دوچار ہو۔ پھر اس کی کیفیت یہ ہو کہ اس کے پاس (ابھی) نہ اپنی فوج ہو' نہ اسلحہ' نہ سامان ہو' نہ پیسہ' تو اس کے سربراہ کے دل پر اس سے کیا نہ گزرتی ہو گی؟ اس کے ساتھ اسے بھی ذہن میں رکھئے کہ پاکستان کے اندر خود ایسے عناصر موجود تھے جو ایک طرف یہاں کے غیر مسلموں کے دل میں خوف

وہراس پیدا کررہے تھے‘اور دوسری طرف انہیں اشتعال بھی دلا رہے تھے۔ ہندوستان کے اخبارات یہاں کی غیر مسلم اقلیتوں کے خلاف مظالم کی فرضی داستانیں بیان کر کے وہاں کے مسلمانوں کے خلاف انتقام کی آگ کو تیز سے تیز کرتے چلے جارہے تھے۔اس کے لئے نہایت ضروری تھا کہ یہاں غیر مسلم اقلیتوں کو پورا پورا یقین دلایا جائے کہ وہ یہاں ہر طرح سے محفوظ رہیں گی اور مذہب کی بنا پر ان سے کوئی ناروا سلوک نہیں کیا جائے گا۔ یہ تھے وہ حالات جن میں قائداعظمؒ کو پاکستان میں اپنی پہلی تقریر کرنی پڑی۔قائداعظمؒ بڑی متوان شخصیت کے حامل تھے۔وہ عام طور پر جذبات سے مغلوب نہیں ہوا کرتے تھے لیکن جن حالات سے اس وقت ملک دوچار تھا اور اتنی عظیم ذمہ داریوں کا بوجھ اس مملکت پر آ پڑا تھا‘اس کے سربراہ کا ان سے متاثر ہوجانا کوئی غیر فطری امر نہیں تھا۔

جیسا کہ پہلے کہا جاچکا ہے وہ غیر مسلموں کو یقین دلانا چاہتے تھے کہ انہیں یہاں اسی قسم کی حفاظت ملے گی جیسی مسلمانوں کو۔انہوں نے اپنی تقریر میں جو کچھ کہا تھا اس سے ان کا مقصد یہی تھا۔لیکن (ہمیں اعتراف ہے کہ وہ اپنے معمول کے خلاف) شدت جذبات میں الفاظ کے انتخاب میں کماحقہٗ احتیاط نہ برت سکے۔ بایں ہمہ ان الفاظ سے یہ مستنبط کرنا کہ جس نظریہ کی رو سے انہوں نے دس سال تک ہندو اور انگریز سے جنگ کر کے پاکستان حاصل کیا تھا وہ اسے پہلے ہی دن نذر آتش کردیں گے‘بڑی زیادتی ہے کوئی باہوش انسان اسے باور نہیں کرے گا۔

آیئے ہم لگے ہاتھوں یہ بھی دیکھیں کہ قائداعظمؒ کی 11 اگست 1947ء کی تقریر کا مفہوم خود غیر مسلم اقلیتیں کیا سمجھتی تھیں۔ کیا انہوں نے یہ سمجھا کہ اس سے قائداعظمؒ مسلمانوں اور غیر مسلموں کی متحدہ قومیت کا اعلان کر کے سیکولر سٹیٹ قائم کرنا چاہتے تھے‘یا یہ کہ اس سے مقصود غیر مسلم اقلیتوں کا تحفظ تھا؟ مسٹر جوشوا فضل الدین ایک مشہور مسیحی لیڈر تھے۔(ان کا چند سال پہلے ادھر انتقال ہوا ہے) جب صدر ایوب (مرحوم) نے لا کمیشن کا تقرر کیا تو مسٹر جوشوا نے اس سوال پر بحث کی تھی کہ مجوزہ آئین کی بنیاد کیا ہونی چاہئے۔اس سلسلہ میں انہوں نے ایک پمفلٹ شائع کیا تھا جس کا عنوان تھا۔(Rationle of Pakistan Constitution) اس میں انہوں نے پہلے یہ واضح کیا تھا کہ 1940ء کی قرارداد پاکستان کی رو سے مملکت پاکستان کے دو بنیادی ستون ہیں‘یعنی (1) مملکت پاکستان کی بنیاد مذہب پر ہوگی۔ یہی وہ قدر مشترک ہے جو مشرقی اور مغربی بازوؤں میں وحدت پیدا کرنے کا موجب بن سکتی ہے.....اور (2) اقلیتوں کے لئے تحفظات۔

اقلیتوں کے لئے تحفظات:

اس کے بعد مسٹر جوشوا نے کہا تھا کہ مجوزہ آئین کو یہ دونوں شرائط پوری کرنی چاہئیں۔ اس کے بعد انہوں نے قائداعظمؒ کی 11 اگست 1947ء (اور اس کے ساتھ 14 اگست 1947ء) کی تقریر کے اقتباسات دے کر یہ کہا تھا کہ ان کی تعبیر میں انتہا پسندانہ رویہ اختیار کیا جارہا ہے۔انہوں نے کہا تھا کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ قائداعظمؒ کا مقصد یہ تھا کہ یہاں نہ ہندو‘ہندو رہے‘نہ مسلمان مسلمان‘ بلکہ دونوں کے امتزاج سے ایک متحدہ قوم متشکل ہو‘جس کا لازمی نتیجہ سیکولر انداز حکومت ہو

جائے‘ وہ بڑی غلطی کرتے ہیں۔ مسٹر جوشوا نے ان لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا:

یہ کہنا کہ تخلیق پاکستان کے بعد قائداعظمؒ نے..... جو خود اس پاکستان کے خالق تھے..... اپنی پہلی ہی تقریر میں کوئی ایسی بات کہہ دی ہے جس سے اس بات کا دور کا بھی امکان ہے کہ اس سے پاکستان کی بنیاد ہی منہدم ہو جائے گی‘ بالکل پاگل پن ہے۔ قائداعظمؒ نے اتنا ہی کہا تھا کہ پاکستان میں بلالحاظ مذہب وملت ہر ایک کو مساوی حقوق شہریت حاصل ہوں گے۔

اگست 1947ء کے بعد: اس کے بعد مجھے صرف اتنا اور کہنا ہے کہ اگر یہ تقریر قائداعظمؒ کی زندگی کی آخری تقریر ہوتی تو پھر بھی اس مغالطہ آفرینی کی گنجائش نکل سکتی تھی کہ وہ جو کچھ دس سال تک کہتے رہے تھے‘ آخر میں وہ اس سے تائب ہو گئے تھے۔ اس لئے اب سندان کی آخری تقریر ہو سکتی ہے۔ حسن اتفاق کہ قائداعظمؒ اس کے بعد بھی ایک سال تک زندہ رہے اور (اگرچہ ان کا یہ تمام عرصہ انتہائی نازک بیماری کے عالم میں گزرا لیکن بایں ہمہ) انہوں نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں پھر اس کی وضاحت کر دی کہ پاکستان کس قسم کی سٹیٹ ہوگی۔ انہوں نے فروری 1948ء میں اہل امریکہ کے نام جو پیغام براڈ کاسٹ کیا تھا۔ اس کا ایک حصہ ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔ انہوں نے اس کے شروع میں کہا تھا۔

مملکت پاکستان‘ جو دس کروڑ مسلمانوں کے حسین نصب العین کا ایک حد تک حصول ہے‘ 15 اگست 1947ء کو وجود میں آ گئی تھی‘ یہ دنیا میں سب سے بڑی اسلامک سٹیٹ اور تمام دنیا کی مملکتوں میں پانچویں درجہ پر ہے۔

(تقاریر بحیثیت گورنر جنرل‘ ص 63)

انہوں نے اسی ماہ (فروری 1948ء میں) آسٹریلیا کے باشندوں کے نام اپنے براڈ کاسٹ میں فرمایا تھا:

مغربی پاکستان‘ مشرقی پاکستان سے تقریباً ایک ہزار میل کے فاصلے پر ہے اور ان کے درمیان مملکت ہند کا علاقہ حائل ہے۔ بیرونی ممالک کے ایک طالب علم کے دل میں جو پہلا سوال ابھرے گا وہ یہ ہوگا کہ (ایسی مملکت کا قیام) کس طرح ممکن ہوگا۔ ایسے دو خطوں میں‘ جن میں اس قدر بُعد ہو‘ وحدت حکومت کس طرح ممکن ہوگی۔ میں اس سوال کا جواب صرف ایک لفظ میں دوں گا جو یہ ہے.....

ایسا‘ ہمارے ایمان کی رو سے ہوگا۔ ایمان خدا پر‘ ایمان اپنے آپ پر‘ ایمان مستقبل پر‘ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ جو لوگ ہم سے اچھی طرح واقف نہیں وہ ایسے مختصر سے جواب کا پورا پورا مفہوم سمجھ نہ سکیں گے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اس اجمال کی تھوڑی سی تفصیل بھی بیان کر دوں‘ اس کے بعد انہوں نے فرمایا

پاکستان کی آبادی کی اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ ہم محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کے پیرو ہیں۔ ہم اس اسلامی برادری کے ارکان ہیں جن میں حقوق‘ شرف واحترام اور تکریم ذات کے اعتبار سے تمام افراد برابر ہوتے ہیں۔ بنابریں‘ ہم میں اخوت اور وحدت کا بڑا گہرا جذبہ ہے۔ ہماری اپنی تاریخ ہے اور اپنی رسوم وروایات ہیں۔ ہم

اپنے اسالیب فکر، نقطہ نگاہ اور احساس دروں کے مالک ہیں اور یہی ہیں وہ عوامل جو قومیت کی تشکیل کا مدار بنتے ہیں۔

(تقاریر بحیثیت گورنر جنرل، ص58)

اگر ہم مملکت پاکستان کی بنیاد قرآن مجید پر رکھتے اور اس کی تعلیم کو عام کرتے جاتے تو ہو نہیں سکتا تھا کہ مشرقی پاکستان علیحدہ ہو جاتا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم نے قرآن کریم کے رشتہ سے امت واحدہ ہونے کے اصول و نظریہ کو نگاہوں سے اوجھل کر دیا اور وطن اور نسل کی تفریق کے تصور کو عام ہونے دیا، اس کا لازمی نتیجہ تشتت و افتراق تھا۔

''ایمان، ایمان خدا پر، ایمان اپنے آپ پر، ایمان اپنے مستقبل پر'' یہ تھی وہ اساس محکم جس پر مملکت پاکستان کی یہ رفیع و عظیم عمارت استوار ہوئی تھی۔ قائداعظمؒ نے 7 اپریل 1948ء کو گورنمنٹ ہاؤس پشاور میں ایک قبائلی جرگہ کے ساتھ گفتگو کے دوران فرمایا:

ہم مسلمان، ایک خدا، ایک کتاب (قرآن مجید) اور ایک رسول ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں، اس لئے ہمیں ایک قوم کی حیثیت سے صف بستہ ہونا ہوگا۔

(تقاریر بحیثیت گورنر جنرل، ص126)

انہوں نے 14 فروری 1948ء کو سبی دربار میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

میرے پیش نظر ہمیشہ اسلامی ڈیموکریسی کا اصول رہا ہے۔ یہ میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات کا راز ان سنہرے اصولوں کے اتباع میں ہے۔ جنہیں ہمارے مقنن اعظم حضور نبی کریم ﷺ نے ہمیں عطا فرمایا ہے۔ لہٰذا ہمیں اپنی ڈیموکریسی کی بنیاد حقیقی اسلامی نظریات اور اصولوں پر رکھنی چاہئے۔

(تقاریر بحیثیت گورنر جنرل، ص56)

تقسیم ہند کے عواقب میں، جب انگریز، ہندو اور سکھوں کی سازش نے ہمارے خلاف قیامت برپا کر دی تھی تو قوم شکستہ خاطر سی ہو رہی تھی۔ عین اس حالت میں آپ نے 30 اکتوبر 1947ء کو یونیورسٹی گراؤنڈ لاہور میں تقریر کرتے ہوئے قوم کا حوصلہ بندھایا اور کہا کہ یاد رکھو!

ایسے نامساعد حالات میں بھی اگر ہم نے قرآن مجید سے بصیرت اور راہنمائی حاصل کی تو میں، ایک بار پھر یہ کہتا ہوں کہ آخرالامر فتح ہماری ہی ہوگی۔

(تقاریر بحیثیت گورنر جنرل، ص30)

میں پوچھنا چاہتا ہوں ارباب بصیرت سے کہ ایک سیکولر سٹیٹ کا مدعی کیا اس قسم کے نظریات پیش کرے گا؟ اس موضوع پر کہنے کو تو ابھی بہت کچھ اور بھی کہا جا سکتا ہے اور میں گذشتہ تیس سال سے اس پر لکھتا چلا آ رہا ہوں..... لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس سے زیادہ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔

بجز اس کے کہ.....

انہوں نے 8 مارچ 1944ء کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

آپ نے غور فرمایا کہ پاکستان کے مطالبہ کا جذبہ محرکہ کیا تھا؟ مسلمانوں کے لئے ایک جداگانہ مملکت کی وجہ جواز کیا تھی؟ تقسیم ہند کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس کی وجہ نہ ہندوؤں کی تنگ نظری ہے نہ انگریزوں کی چال۔ یہ اسلام کا بنیادی مطالبہ تھا۔ (قائداعظمؒ کا پیغام' مرتبہ سید قاسم محمود' ص 52)

(2) انہوں نے ایسوسی ایٹڈ پریس امریکہ کے نمائندہ کو نومبر 1945ء کو انٹرویو دیتے ہوئے فرمایا:

''پاکستان ایک مسلم سٹیٹ ہوگی۔'' (تقاریر' جلد دوم' ص 326, 27)

(3) انہوں نے اسلامیہ کالج پشاور کے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے 13 جنوری 1948ء کو فرمایا:

ہم نے پاکستان کا مطالبہ ایک زمین کا ٹکڑا حاصل کرنے کے لئے نہیں کیا تھا' بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو آزما سکیں۔

(4) اور حرف آخر یہ کہ انہوں نے تحریک پاکستان کے دوران متعدد بار قوم کو متنبہ کیا کہ:

اگر آپ چاہتے ہیں کہ اس ملک سے اسلام کا نام ونشان نہ مٹ جائے تو اس کے لئے پاکستان نہ صرف یہ کہ ایک عملی نصب العین ہے' بلکہ یہی اور صرف یہی واحد نصب العین ہے۔ یاد رکھو! اگر ہم اس جدوجہد میں ناکام رہ گئے تو نہ صرف یہ کہ ہم تباہ ہو جائیں گے' بلکہ اس برصغیر میں مسلمانوں کا اور اسلام کا نام ونشان تک مٹ جائے گا۔

(تقاریر' جلد اول' ص 267' جلد دوم' ص 255)

کیا اس کے بعد بھی اس حقیقت کے سمجھنے میں کوئی دقت پیش آ سکتی ہے کہ قائداعظمؒ کس قسم کی سٹیٹ قائم کرنا چاہتے تھے؟ اسلامک یا سیکولر؟

☆☆☆☆☆

آخر میں' میں مناسب سمجھتا ہوں کہ مختصر الفاظ میں یہ بتا دوں کہ اسلامک سٹیٹ' سیکولر سٹیٹ اور تھیاکریسی میں فرق کیا ہوتا ہے اور قائداعظمؒ نے سیکولر سٹیٹ کی طرح تھیاکریسی کی بھی مخالفت کیوں کی تھی۔

تھیاکریسی کا تصور تو پرانا ہے لیکن اسے بطور نظام حکومت' عیسائی کلیسا (چرچ) نے یورپ میں رائج کیا۔ عیسائیت میں حکومت کا تصور تک نہیں۔ نہ ہی (مروجہ) انجیل میں قوانین دیئے گئے ہیں۔ اس لئے عیسائی پادریوں کی حیثیت مشنریوں (مبلغین) سے زیادہ کچھ نہیں تھی۔ جب بعض بادشاہوں نے عیسائیت قبول کی تو پادریوں کے دل میں بھی جذبہ اقتدار پرستی نے انگڑائی لی۔ انہوں نے بادشاہوں سے سمجھوتہ کیا کہ احکام وقوانین کلیسا (چرچ) وضع کرے لیکن وہ نافذ حکومت کی طرف سے ہوں اور یہ سارا کاروبار خدا کے نام پر ہو۔ یعنی ان احکام وقوانین کو احکام خداوندی کہہ کر پکارا جائے اور انہیں نافذ کرنے والے حکمرانوں کو شریعت خداوندی کے محافظ قرار دیا جائے۔ اس سے ایک طرف' مذہبی پیشوائیت کے جذبہ اقتدار کی تسکین کا سامان فراہم ہو گیا

اور دوسری طرف، حکمرانوں کو مقبولیت عامہ حاصل ہوگئی، کیونکہ عوام مذہب پرست تھے اور مذہب کے محافظ ان کے نزدیک خدائی اختیارات اور الوہیاتی احترام وتقدیس کے حامل۔ (انگلستان کے بادشاہ یا ملکہ کو آج تک (Defender of the Faith) کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ مذہب اور حکومت کی اس ملی بھگت کو تھیا کریسی (یعنی حکومت خداوندی) سے تعبیر کیا گیا۔ اس نظام حکومت میں انسانیت ظلم واستبداد کے جس جہنم میں مبتلا رہی، اس کے تصور تک سے (ہمارا اور آپ کا ہی نہیں) ہلاکو اور چنگیز تک کا کلیجہ دہل جاتا ہے۔ نوع انسان کی تاریخ میں، تھیا کریسی سے بدتر دور کبھی نہیں آیا۔ ہلاکو اور چنگیز خاں کے دل میں شاید کبھی کھٹک پیدا ہوجاتی ہو کہ ہم بے گناہوں پر کیوں ظلم کر رہے ہیں لیکن جو ظلم وتشدد خدا کے نام پر برپا کیا جائے اس سے تو ظالم اور مستبد حکمران اطمینان ہی نہیں، فخر محسوس کرتا ہے کہ میں خدائی مشن پورا کر رہا ہوں۔

مختصر الفاظ میں تھیا کریسی سے مراد ہے ایسا نظام حکومت جس میں انسانوں کے وضع کردہ احکام وقوانین کو احکام خداوندی کہہ کر نافذ کیا جائے اور ان کی مخالفت کرنے والوں کو مرتد قرار دے کر حوالہ دار ورسن کر دیا جائے۔ ان مظالم کی بنا پر تھیا کریسی کے خلاف جو ردعمل ہوا اسے سیکولرازم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس نظام کے حامیوں نے کہا کہ مذہب کو مملکت اور حکومت سے کوئی واسطہ نہیں۔ مذہب کا دائرہ گرجا کی چار دیواری تک محدود ہے۔ مملکت کے معاملات، قوم کی منشاء کے مطابق، کسی قسم کی حدود وقیود کے بغیر، آزادانہ طے پائیں گے۔ انہوں نے مذہب کے لبادہ کے ساتھ، اخلاقی اقدار واصول کی ''صدری'' کو بھی اتار کر دور پھینک دیا۔ یہ ہے سیکولر نظام حکومت جس میں قانون سازی کے کلی اختیارات، کسی قسم کی حدود و شرائط کے بغیر، قوم (انسانوں) کو حاصل ہوتے ہیں۔ اس وقت یہ نظام حکومت (کم وبیش) ساری دنیا میں رائج ہے (اور ساری دنیا اس کے ہاتھوں نالاں بھی ہے)۔

جب انگریزوں نے ہندوستان میں اپنی حکومت قائم کی تو انہوں نے دیکھا کہ اس ملک کے باشندے سخت قسم کے مذہب پرست واقعہ ہوئے ہیں۔ اس بنا پر انہوں نے سوچا کہ یہاں یورپ کی شکل کی سیکولرازم چل نہیں سکے گی۔ انہوں نے اس میں یہ ترمیم کی کہ قوانین کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک شخصی قوانین۔ (Personal Laws) اور دوسرے ملکی قوانین (Public Laws) انہوں نے کہا کہ شخصی قوانین کی حد تک ہر شخص کو آزادی ہوگی کہ وہ اپنے عقیدہ اور مسلک کے مطابق ان کا اتباع کرے لیکن پبلک لاز میں مذہب کو کوئی دخل نہیں ہوگا۔ یعنی انہوں نے پرسنل لاز کی حد تک، تھیا کریسی رائج کر دی اور پبلک لاز کے لئے سیکولرازم، ہمارے مذہب پرست طبقہ نے اسے مذہبی آزادی سے تعبیر کیا اور وہ اس کے لئے سلطنت انگلشیہ کا بے حد شکر گزار ہوا۔ خود ہمارے ہاں کی ملوکیت نے بھی یہی مسلک اختیار کر رکھا تھا۔ تحریک پاکستان کے دوران، یہی موقف (ہندوؤں اور) نیشنلسٹ علماء کا تھا اور اسی کو ساتھ لے کر وہ پاکستان آئے۔ ان کے برعکس اقبالؒ اور قائداعظمؒ نے اسلامی مملکت کا تصور اور مطالبہ پیش کیا۔

اسلامی مملکت میں حق حکومت نہ مذہبی پیشوائیت کو حاصل ہوتا ہے نہ ملک کے دیگر باشندوں کو، یعنی وہ تھیا کریسی، سیکولرازم یا انگریزوں کی وضع کردہ تھیا کریسی+سیکولرازم، سب کے خلاف ہوتی ہے۔ اس میں حق حکومت خدا کی کتاب

(قرآن مجید) کو حاصل ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں وہ اصول اور اقدار دیئے گئے ہیں جو ابدی اور غیر متبدل ہیں۔ مملکت کا فریضہ ان اصول و اقدار کو نافذ کرنا ہوتا ہے۔ ان کی تنفیذ کے طور طریقے قوم (امت) کے باہمی مشورہ سے طے کئے جاتے ہیں۔ انہیں آپ جزئی قوانین کہہ لیجئے۔ شرط اس میں بھی یہ ہوتی ہے کہ یہ قرآن کے کسی اصول و اقدار سے ٹکرائیں نہیں۔ ان میں پبلک لاز اور پرسنل لاز کی کوئی تفریق اور تمیز نہیں ہوتی۔ پبلک لاز کی طرح ان سب کا اطلاق ملک کے تمام مسلم باشندوں پر یکساں ہوتا ہے۔ یہ قوانین زمانے کے تقاضوں کے مطابق بدلتے رہیں گے اور قرآنی اصول و اقدار (جنہیں حدود اللہ کہہ لیجئے) ہمیشہ کے لئے غیر متبدل رہیں گے۔ اس مشاورت کی عملی شکل کیا ہوگی' اسے بھی امت' باہمی مشورے سے (مندرجہ بالا شرط کے تحت) خود طے کرے گی۔

یہ ہیں اسلامی مملکت کے نمایاں خط و خال..... قرآن کریم نے بہ نص صریح کہہ دیا ہے کہ اس کے سوا جو نظام حکومت بھی ہے وہ کافرانہ نظام ہے' ارشاد خداوندی ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾ (5:44)

جو لوگ خدا کی کتاب کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے وہی کافر ہیں۔

ان تصریحات سے یہ حقیقت آپ کے سامنے آ گئی ہوگی کہ جو چیز اسلامی نظام مملکت کو غیر اسلامی نظام سے متمیز اور ممتاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ اسلامی مملکت میں قانون سازی کے اختیارات ان اصول و اقدار خداوندی سے مشروط اور ان کے تابع ہوتے ہیں جنہیں حدود اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ حدود منزل من اللہ ہوتے ہیں اور ابدی اور غیر متبدل۔ قرآن کریم نے اس حقیقت کو متعدد مقامات میں دہرایا ہے۔ سورہ الانعام میں ہے:

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ (6:115)

''تیرے رب کے اصول و قوانین' صدق و عدل کے ساتھ مکمل ہو گئے۔ اب ان میں کوئی اتھارٹی تبدیلی نہیں کر سکتی''۔

(نیز 6:34، 18:27) سورۃ یونس میں ہے: لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۭ (10:64)

''قوانین و حدود خداوندی میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا''۔ اس کے برعکس دنیا کے ہر نظام میں (خواہ وہ ملوکیت ہو خواہ آمریت اور خواہ مغرب کی جمہوریت) قانون سازی کے اختیارات پر کسی قسم کی پابندی نہیں ہوتی' یہی بنیادی تخصیص' اسلامی اور غیر اسلامی نظام میں مابہ الامتیاز ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ قائداعظمؒ پاکستان میں سیکولر سٹیٹ قائم کرنا چاہتے تھے' تو پھر مسلمانوں کے لئے جداگانہ مملکت کی وجہ جواز باقی نہیں رہتی۔ جو لوگ بددیانتی سے ایسا کہتے ہیں ان کا مقصد یہی ہے۔ اقبالؒ اور قائداعظمؒ نہ سیکولر سٹیٹ چاہتے تھے' نہ تھیاکریٹک سٹیٹ' وہ خالصتاً قرآنک سٹیٹ متشکل کرنا چاہتے تھے۔

والسلام،

علامہ غلام احمد پرویزؒ

طلوع اسلام دسمبر 1980ء

سید حیات النبی رضوی، کراچی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یکم مئی

قرآن کریم کی رُو سے ہر انسان محنت کش ہے

یکم مئی 1886ء کو ''ھے مارکیٹ اسکوائر'' شکاگو امریکہ میں ایک بڑا حادثہ رونما ہوا جس کا اثر نہ صرف امریکہ بلکہ پوری دنیا پر پڑا۔ ایک صنعتی پلانٹ کے مزدوروں نے پولیس ایکشن کے خلاف ہڑتال کی اور مذکورہ بالا اسکوائر پر جمع ہوئے، اجتماعی اجلاس کے آخر میں کسی نامعلوم شخص نے بم کا دھماکہ کر دیا۔ بہت سے لوگ اور آٹھ پولیس والے بھی مارے گئے۔ متعلقہ حکام نے اس پر تشدد مظاہرہ کا سارا الزام مزدوروں پر ڈال دیا اور آٹھ مزدور لیڈروں کو اس الزام میں گرفتار کر لیا جبکہ یہ الزام کسی طور بھی ثابت نہ ہو سکا تھا کہ یہ مزدور لیڈر بم سازش میں شریک تھے۔ ان میں سے سات کو موت کی سزا سنائی گئی اور آٹھویں کو قید کیا گیا۔ سات میں سے چار کو پھانسی دے دی گئی اور ایک نے خودکشی کو فوقیت دی اور بقیہ دو کی موت کی سزا قیدِ سخت میں تبدیل کر دی گئی۔ یہ تین قیدی 1893ء میں ''الی نائیز'' کے گورنر جان آلٹ گیلڈ کے زمانے میں رہا کر دیئے گئے۔ مگر یہ تحریک یہیں ختم نہیں ہو گئی بلکہ ان مزدوروں کے خون نے رنگ لانا شروع کیا اور 1889ء میں ورلڈ سوشلسٹ پارٹیز کانگریس نے ہیرس میں امریکہ کی مزدوروں کی تحریک کا ساتھ دیتے ہوئے مزدوروں کے لئے آٹھ گھنٹے یومیہ کام کا مطالبہ کیا، انہوں نے یکم مئی 1890ء کا دن اپنی تحریک کے بھرپور مظاہرہ کے لئے منتخب کیا۔ اس کے بعد تو بہت سے ممالک میں یکم مئی مزدوروں کے دن کے طور پر منایا جانا شروع ہو گیا۔ بڑے بڑے جلسے، مظاہرے اور سیمینار بلکہ محنت کشوں کی پریڈ کا سلسلہ بھی شروع ہوا۔ یہ دن امریکہ میں ستمبر کی تحریک کے مماثل بھی سمجھا جاتا ہے جب 1882ء میں اول اول آٹھ گھنٹے یومیہ کام کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ حکومتوں اور مزدور تحریکوں نے متفقہ طور پر یکم مئی کو مزدوروں کے دن کے طور پر تسلیم کر لیا اور اس دن عام تعطیل ہونے لگی، اس دن دنیا کے مزدوروں کے سلسلے میں تقاریر اور دیگر تقاریب کا اہتمام ہونے لگا۔ اگرچہ یہ واقعہ تو شکاگو امریکہ میں وقوع پذیر ہوا تھا مگر بالشویک روس اور دنیا کے دیگر سوشلسٹ و کمیونسٹ ممالک میں اس کی بازگشت بڑی تیز آواز کے ساتھ سنی گئی اور اس دن کو بڑے شایانِ شان طریقے سے منایا جانے لگا۔ پاکستان میں بھٹو صاحب کے زمانے میں اس

دن کو بڑی اہمیت حاصل تھی اور یہ ایک عام تعطیل کا دن تھا مگر اب مرکزی سرکاری حکومت کی طرف سے یہ تعطیل ختم کر دی گئی ہے۔

جہاں جہاں یکم مئی مزدوروں کے دن کے طور پر منایا جاتا ہے اس کے مظاہروں سے ایک بات کا بڑے بیّن طور پر پتہ چلتا ہے کہ یہ اُن محنت کشوں کا دن ہے جو فیکٹریوں' کارخانوں اور مِلوں میں جسمانی محنت ومشقت کا کام انجام دیتے ہیں' ان مظاہروں میں مزدوروں کی ٹریڈ فیڈریشنیں' مزدور انجمنیں اور عام جسمانی محنت کش بھرپور طریقے سے شرکت کرتے ہیں اور معاشرے میں بھی یہ بات حقیقتِ ثابتہ کی طرح تسلیم کر لی گئی ہے کہ یہ مزدوروں کا دن ہے اور مزدور وہی ہوتا ہے جو جسمانی محنت ومشقت کے کام انجام دیتا ہے۔ سوشلسٹ روس نے بھی جب مزدوروں کی اور کسانوں کی حکومت کا نعرہ دیا تو اپنے سرخ پرچم کے لئے درانتی اور ہتھوڑے کا نشان پسند کیا' گویا مزدور سے مراد کھیت مزدور اور فیکٹریوں میں جسمانی مشقت انجام دینے والے انسان تھے۔ اگر ہم کسی لغت کو اٹھا کر دیکھیں تو وہاں بھی یہ نکتہ کارفرما نظر آتا ہے کہ مزدور کے بنیادی معنی میں جسمانی محنت ومشقت بنیادی عنصر ہے۔ مزدور کا لفظ دراصل دو لفظوں کا مرکب ہے' مُزد + وَر جس کے معنی محنت مزدوری کا معاوضہ حاصل کرنے والا ہیں۔ فارسی لفظ مُزد کے معنی مزدوری' اجرت' طلبِ تنخواہ' صلہ اور بدلہ کے ہیں۔ اسی لئے مزدور کے معنی مزدوری کرنے والا یا اجرت پر کام کرنے والے کے ہیں۔ مزدوری کے معنی لغت میں کام کا معاوضہ' محنت کا صلہ' مشقت اور محنتانہ دیئے گئے ہیں جبکہ مزدوری کرنے کے معنی محنت مشقت کا کام کرنا ہیں۔

اس تمام بحث سے ہماری مراد یہ ہے کہ دنیا میں جہاں کہیں مزدور یا اس کا ہم معنی لفظ بولا جاتا ہے اس سے انسانوں کا وہ گروہ مراد ہے جو جسمانی محنت ومشقت انجام دیتا ہو' خواہ وہ زمین کو پھاوڑے اور گیتی سے کھودتا ہو' فیکٹری یا کارخانے میں کام کرتا ہو' کھیت مزدور ہو یا مشینوں پر انتہائی محنت ومشقت کے ساتھ خدمات انجام دیتا ہو۔ یورپ اور امریکہ میں ایسے لوگوں کے لئے ''نیلے کالر'' والوں کی اصطلاح عام ہے۔ جو لوگ دفاتر' مدارس یا دیگر تجارتی وعلمی کام انجام دیتے ہیں وہ الگ گروہ شمار ہوتے ہیں اور ''وہائٹ کالر'' والوں کے زمرے میں شمار کئے جاتے ہیں۔ یکم مئی کے موقع پر جو ترانے اور گیت ریڈیو' ٹیلی ویژن سے نشر کئے جاتے ہیں وہ بھی کچھ اس قسم کے ہوتے ہیں ؎

مزدور کے ماتھے پر محنت کا پسینہ ہے ہر قطرہ ہے اک موتی' ہر موتی نگینہ ہے

گویا مزدور وہی ہے جو پسینہ بہا کر محنت ومشقت کی خدمات انجام دے رہا ہے اور اس گروہ میں وہ انسان ہرگز شامل نہیں ہیں جو حکیم' ڈاکٹر' اساتذہ یا سائنسدان وغیرہ ہیں۔

اس کے علاوہ ایک خیال آفرینی یہ بھی پائی جاتی ہے کہ مزدوروں کا یہ طبقہ معاشرہ میں کمتر حیثیت کا حامل ہے جبکہ دوسرے طبقات اعلیٰ وارفع درجات رکھتے ہیں۔ یوں تو محنت کی عظمت کے گن گائے جاتے ہیں' کہا جاتا ہے کہ حضورؐ اپنی

جوتیاں خود گانٹھ لیا کرتے تھے‘ جنگِ خندق میں عام مزدوروں کی حیثیت سے کام کر رہے تھے اور مزدور کی مزدوری اس کے پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرنے کا حکم بھی آپؐ ہی کا ہے مگر ان تمام لن ترانیوں کے باوجود پرنالہ وہیں گرتا ہے کہ بندہ کوچہ گردی ہی کرتا رہتا ہے اور خواجہ بلند بام سے اترنے کا نام نہیں لیتا۔ مزدور کی حیثیت معاشرے میں ڈھکی چھپی نہیں‘ ہمارے ہاں کی کمین کے الفاظ اس بات کی بھرپور غمازی کر رہے ہیں کہ ہاتھ سے کام کرنے والا کیا مقام رکھتا ہے‘ اس کے بیٹھنے کی جگہ کیا ہے‘ اسے دیگر لوگوں سے بات چیت کرنے کے لئے کن آداب کا خیال رکھنا ہوتا ہے‘ اس کے رشتے ناطے کن لوگوں سے ہو سکتے ہیں بلکہ یہاں تک کہ اس کے خیال کی پرواز کیا ہونی چاہئے‘ بقول پرویزؔ صاحب کے کہ نماز تو محمود و ایاز ساتھ ہی مساوات کے ساتھ ادا کرتے ہیں مگر نماز کے بعد ایاز نے محمود کے جوتے اٹھائے اور پیچھے پیچھے چل پڑا‘ گویا ہر شخص کی ایک حیثیت مقرر ہے‘ آقا آقا ہے‘ مزدور مزدور ہے۔ بال جبریل میں علامہ اقبال نے لینن کی زبانی ''اللہ سے شکوہ'' کہلوایا ہے جس سے درج بالا کیفیات کا بھرپور اندازہ ہو جاتا ہے۔ ؎

تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات

کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ
دنیا ہے تری منتظرِ روزِ مکافات

اس بالِ جبریل میں علامہ فرماتے ہیں ؎

خلقِ خدا کی گھات میں رند و فقیہہ و میر و پیر
تیرے جہاں میں ہے وہی گردشِ صبح و شام ابھی

تیرے امیر مال مست تیرے فقیر حال مست
بندہ ہے کوچہ گرد ابھی خواجہ بلند بام ابھی

بندہ و آقا کی یہ تفریق‘ محنت و مشقت کرنے والے اور دیگر امور انجام دینے والے گروہوں میں یہ زمین و آسمان کا بعد اور معاشرہ میں ہر اس شخص کو بری نظر سے دیکھنے کا رواج جو جسمانی محنت و مشقت کرتا ہو اور ہر اس شخص کی عزت کا تصور جو کم از کم محنت کرتا ہو بلکہ یہاں تک کہا جا سکتا ہے کہ سب سے زیادہ عزت اس کی ہوتی ہے جو کچھ نہ کرتا ہو بلکہ عیش کی کھاتا ہو۔ جاگیردار‘ خوانین‘ وڈیرے اور سرمایہ دار اگر کچھ نہ کرتے ہوں صرف حقہ گڑگڑاتے‘ اپنے کمینوں پر احکامات صادر کرتے نظر آئیں تو ان کو حد درجہ قابل عزت‘ پرشکوہ اور قابل احترام سمجھا جاتا ہے۔ اگر ان باتوں کا بغور مطالعہ کیا جائے اور تجزیہ کیا جائے تو جو بات نکھر اور ابھر کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ بعض لوگ محنت کرتے ہیں اور بعض لوگ نہیں کرتے اور معاشرہ نے ان گروہوں کی عزت و تکریم کے اپنے معیار بنا لئے ہیں۔ نیز یہ کلیتہً سمجھ لیا گیا ہے کہ ہر شخص کے لئے محنت کرنا ضروری نہیں‘ جس قدر محنت سے دور ہوں گے اسی قدر لائق احترام۔ یہ سب انسانوں کا خود ساختہ نظام ہے جس کی سزا مختلف گروہ بھگت رہے ہیں۔

اس ضمن میں اور اس موڑ پر فکر کا تقاضا ہے کہ دیکھا جائے کہ قرآن کریم کیا رہنمائی کرتا ہے اور اس کی تعلیمات کیا ہیں‘ کیا وہ ان نظریات سے متفق ہے یا اس کی اپنی کوئی راہ ہے۔ محنت کے موضوع پر قرآن کریم کی 53 ویں سورت

النجم کی 39 ویں آیت ایک ایسی چمکتی ہوئی روشن راہ کی طرف اشارہ کرتی ہے جس سے تمام معاملہ بالکل صاف، نکھر اور ابھر کر سامنے آجاتا ہے اور تمام اشکال حل ہو جاتے ہیں، ارشاد ہے :وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝ (53:39) جس کے معنی ہیں کہ انسان کو اس کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوسکتا جس کے لئے اس نے محنت نہ کی ہو، گویا وہ صرف محنت کے ماحصل ہی کا حقدار ہے گویا:

قرآنِ کریم کی رُو سے ہر انسان محنت کش ہے:

یہ آیۂ کریمہ تمام انسانی گروہ کا رتبہ، درجہ اور ان کی حیثیت متعین کر دیتی ہے اور معاشرہ کی اس تفریق کے پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر دیتی ہے جس نے محنت و مشقت کی بنیاد پر انسانوں کو گروہوں میں بانٹ رکھا تھا، ہر انسان پر ماسوا بچوں اور معذوروں کے محنت کا فریضہ ازبس ضروری ہے اور وہ اپنی زندگی گزارنے کے لئے جو دولت یا اثاثہ حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے لئے اسے محنت کرنی ہوگی، بغیر محنت کئے اس کا کسی چیز پر حق نہیں۔ جب معاشرہ میں ہر شخص محنت کا پابند ہوگا تو ہر شخص محنت کش ہوگا، ہر شخص ''مزدور'' ہوگا اور اس طرح یکساں عزت کا حقدار ہوگا۔ معاشرہ میں یقیناً درجات ہوں گے مگر وہ اختلاف افعال کی وجہ سے ہوں گے، لوگوں کا مختلف اشغال کی طرف مائل ہونا اور مختلف پیشے اختیار کرنا بھی اللہ کی رحمت ہے ورنہ مختلف امور کا انجام پانا اور لوگوں کے اذواق کا مختلف نہ ہونا معاشرہ میں طرح طرح کی مشکلات پیدا کر سکتا تھا۔ سورۂ الزخرف جو قرآن کریم کی 43 ویں سورت ہے اس کی آیت 32 ملاحظہ فرمائیے:

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ؕ (43:32)۔

(ترجمہ) کیا یہ لوگ تمہارے پروردگار کی رحمت کو بانٹتے ہیں؟ ہم نے ان میں ان کی معیشت کو دنیا کی زندگی میں تقسیم کر دیا اور ایک کے دوسرے پر درجے بلند کئے تاکہ ایک دوسرے سے خدمت لے۔

اب اگر محولہ بالا دونوں آیات کو سامنے رکھا جائے تو یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ انسان کا تعلق خواہ کسی گروہ سے ہو یعنی خواہ وہ جسمانی محنت و مشقت کرتا ہو چاہے اس کا ذریعہ آمدنی ذہنی کاوش ہو، ہر دو ذرائع میں محنت کا عنصر قدر مشترک ہوگا، اگر حصول زر کا کوئی ایسا ذریعہ تلاش کیا گیا ہے جس میں محنت موجود نہیں تو وہ اللہ کی نظر میں جائز نہیں اور ایسے ذریعہ سے اجتناب ضروری ہے۔ زندگی گزارنے کے لئے جو ذرائع آمدنی اختیار کئے جاتے ہیں ان کو عمومی طور پر پانچ طرح تقسیم کیا جا سکتا ہے جو درج ذیل ہیں۔

(1) عطیہ: کوئی شخص کسی کو کوئی چیز ہدیہ کر دے مگر اس میں لین دین کا معاملہ نہیں ہوتا۔

(2) اجرت: محنت کا معاوضہ ہوتا ہے اس میں سرمایہ کچھ نہیں لگایا جاتا۔

(3) ربوٰ: دوسرے کو سرمایہ دیا جاتا ہے اور اس سرمایہ پر اصل سے زائد وصول کیا جاتا ہے، سرمایہ دینے والا محنت نہیں

کرتا بلکہ دوسرے کی محنت کا ایک حصہ وصول کرتا ہے۔

(4) منافع: تجارت میں حاصل ہوتا ہے جس میں سرمایہ بھی لگایا جاتا ہے اور محنت بھی کی جاتی ہے۔

(5) قمار: قمار و میسرہ (جوئے) میں نہ سرمایہ لگایا جاتا ہے نہ محنت کی جاتی ہے۔

قرآن کریم کی رُو سے عطیہ، اجرت اور منافع حلال جائز ہیں جبکہ ربوٰ اور قمار کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ عطیہ میں تو چونکہ لین دین کا معاملہ ہوتا ہی نہیں اس لئے اس میں کسی قسم کی گفتگو کی زیادہ ضرورت نہیں البتہ جن دو چیزوں (اجرت اور منافع) کو جائز قرار دیا گیا ان میں محنت کا عنصر موجود ہے۔ اور جن دو چیزوں کو حرام قرار دیا گیا (ربوٰ اور قمار) ان میں محنت سرے سے موجود نہیں۔ گویا محنت ہی وہ رکنِ رکین ہے جو ذرائع آمدنی اور ہمارے نظامِ اقتصاد کی جڑ ہے، اصل و بنیاد ہے۔ اس موقع پر اگر اس بات کی بھی وضاحت کر دی جائے تو نامناسب نہ ہوگا کہ قرآنِ کریم کی رو سے جہاں ہر گروہ کے لئے محنت کا عنصر ضروری قرار دیا گیا ہے وہاں عورت اور مرد کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی ہے۔ سورۃ النساء کی 32 ویں آیت میں واضح کر دیا گیا کہ:

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ (4:32)۔

(ترجمہ) اور جس چیز میں خدا نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اس کی ہوس مت کرو۔ مردوں کو ان کاموں کا اجر ہے جو انہوں نے کئے اور عورتوں کو ان کاموں کا اجر ہے جو انہوں نے کئے۔

ہم نے اوپر سورہ النجم کی 39 ویں آیت کا جو حوالہ دیا ہے وہی ہمارے نظامِ اقتصاد کا قبلہ بھی متعین کرتی ہے۔ ہمارے ماہرین اقتصادیات جن کو اصلاً بوجھ بجھکڑ کہنا چاہئے وہ عوام الناس کو شراکت اور مضاربت جیسی اصطلاحات سے مرعوب کر کے موجودہ سودی بنکاری نظام کو مشرف بہ اسلام کرنے کے چکر میں لگے رہتے ہیں حالانکہ ان اصطلاحات کا تعلق دور کا بھی قرآن کریم سے نہیں ہے بلکہ حقیقتاً جن نظریات کا یہ پرچار کرتی ہیں وہ قرآن کریم کے نقیض ہیں، یہ اصطلاحات مسلمانوں کے دور ملوکیت کی پیداوار ہیں۔ یہ ماہرین اقتصادیات ایک نکتہ بڑے فخر کے ساتھ بیان فرماتے ہیں کہ اسلامی بنکاری میں منافع (سود) متعین نہیں ہوگا اور اس طرح یہ شیر مادر کی طرح حلال ہو جائے گا۔ یہ حضرات اگر ذرا سا اس بات پر غور کر لیتے کہ قرآن کریم نے سورہ بقرہ کی 275 ویں آیت میں اس بات کی تشریح کر دی ہے کہ تجارتی منافع اور ربوٰ (سود) ایک جیسے نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے ربوٰ کو حرام اور تجارت کو حلال قرار دیا ہے۔ تجارتی منافع کو حلال کیوں قرار دیا اور سود کو حرام کیوں قرار دیا گیا، یہ بات بالکل واضح ہے کہ تجارت میں سرمایہ ضرور لگایا جاتا ہے مگر اس میں محنت بھی کی جاتی ہے اور دراصل یہ منافع اسی محنت کا ہوتا ہے، ہمارے بزرگ ''آٹے میں نمک'' کی بات ایسے موقع پر اسی لئے کہتے تھے۔ اب تجارت میں سرمایہ کا منافع (سود) بھی شامل کر لیا گیا ہے اور محاورہ الٹ گیا ہے یعنی ''نمک میں آٹا'' منافع ہونے لگا ہے۔ رہی بات ربوٰ کی تو اس کو اس لئے حرام

قرار دیا گیا اور اسے تجارتی منافع کے غیر مماثل قرار دیا گیا کیونکہ اس میں محنت کا عنصر مفقود ہوتا ہے اور یہ سرمایہ پر بڑھوتری ہوتی ہے جو ناجائز ہے۔ احادیث و روایات میں ایسی امثال بکثرت موجود ہیں جو شراکت و مضاربت کی نفی کرتی ہیں۔ صحاح ستہ کی ایک روایت حضرت رافع بن خدیج ؓ سے مروی ہے کہ:

''میں نے اپنے دونوں چچاؤں (ظہیر اور مہیر) سے سنا جبکہ وہ دونوں اپنے محلہ والوں سے کہہ رہے تھے کہ زمین کو کرایہ پر بندوبست کرنے کی رسول اللہ ﷺ نے ممانعت فرمادی ہے۔''

یہی راوی اپنے ماموں سے نقل کرتے ہیں۔

''میرے ماموں ایک دن آئے اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسی بات سے منع فرمادیا ہے جو تم لوگوں کے لئے زیادہ نفع بخش تھی مگر اللہ اور رسول ﷺ کی فرمانبرداری ہمارے اور تمہارے لئے کہیں زیادہ نفع بخش ہے۔ رسول اللہ صلعم نے تہائی اور چوتھائی پر اور کرایہ پر زمینیں دینے سے بالکل منع فرمادیا ہے۔'' (کنز العمال)

جابر بن عبداللہ ؓ سے بخاری و مسلم میں روایت ہے کہ: ''جس کے پاس اپنی ضرورت سے زیادہ زمین ہو اسے وہ خود ہی کاشت کرے یا اپنے کسی بھائی کو بخش دے یا اپنی زمین کو یونہی پڑا رہنے دے۔''

ان احادیث و روایات سے بھی اس بات کی وضاحت ہوجاتی ہے کہ ذرائع آمدنی کے لئے از خود محنت کی ضرورت ہے۔ دوسرے کی محنت پر آکاس بیل بن کر گزارہ کرنا حرامِ قطعی ہے اور ناجائز۔ محنت ہی وہ ذریعہ ہے، وہ عنصر ہے جو ہماری آمدنی کا واحد منبع و مخرج ہے اور اسی میں عظمت ہے۔ ہر شخص اپنا ذریعہ آمدنی حاصل کرنے کے لئے چونکہ محنت پر مجبور ہے اس لئے ہر انسان از روئے قرآن کریم محنت کش ہے اور مزدور ہے خواہ وہ کسی قسم کی بھی محنت کرتا ہو، جسمانی یا دماغی۔ اسی نظریہ کو سامنے رکھتے ہوئے راقم الحروف علامہ اقبال کے وہ اشعار نقل کرتا ہے جو انہوں نے خضر سے سوال جواب کی صورت میں بیان کئے ہیں۔ خضر سے سوال کیا گیا:

زندگی کا راز کیا ہے، سلطنت کیا چیز ہے
اور یہ سرمایہ و محنت میں ہے کیسا خروش؟

خضر کا جواب ملاحظہ فرمائیے:

بندۂ مزدور کو جا کر مرا پیغام دے
خضر کا پیغام کیا ہے یہ پیامِ کائنات

اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دارِ حیلہ گر
شاخِ آہو پر رہی صدیوں تلک تیری برات

مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات

اُٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

پمفلٹس --- PAMPHLETS

ادارہ طلوع اسلام دینی موضوعات پر پمفلٹس شائع کرتا رہتا ہے

فی پمفلٹ قیمت 20 روپے علاوہ ڈاک خرچ

اسلام آگے کیوں نہ چلا	قرآن مجید کے خلاف گہری سازش	دوقومی نظریہ
اسلام کیا ہے؟	قربانی	عورت قرآن کے آئینے میں
اسلام ہی کیوں سچا دین ہے؟	قیامت موجود	پاکستان کی نئی ''زیارت گاہیں''
اسلام اور مذہبی رواداری	قوموں کی تعمیر فکر سے ہوتی ہے ہنگاموں سے نہیں!	کیا تمام مذاہب یکساں ہیں؟
کیا اسلام ایک چلا ہوا کارتوس ہے؟	قوموں کے تمدن پر جنسیات کا اثر	تحقیق ربوٰ (مسئلہ سود)
اسلامی قانون کی اصل و بنیاد کیا ہے؟ (مغربی پاکستان ہائیکورٹ کا فیصلہ)	ہماری نمازیں اور روزے بے نتیجہ کیوں ہیں؟	کیا قائداعظمؒ پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنانا چاہتے تھے؟
اسلامی آئیڈیالوجی	ہندو کیا ہے؟	بنیادی حقوق انسانیت اور قرآن
اسلام اور پاکستان کے خلاف گہری سازش (20 روپے علاوہ ڈاک خرچ)	ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ (قرآنی اصطلاحات کی تشریح)	تکذیب دین کون کرتا ہے اور مصلّی کسے کہتے ہیں
اسلامی مملکت کے سربراہ کی معاشی ذمہ داریاں	ہماری تاریخ میں کیا ہے؟	روٹی کا مسئلہ
اسلامی قانون سازی کا فریضہ (بال سے باریک تلوار سے تیز)	ہم میں کیریکٹر کیوں نہیں؟	جو ہو ذوق یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
انسانیت کا آخری سہارا	ہم عید کیوں مناتے ہیں؟	نماز کی اہمیت
اے کشتۂ سلطانی وملائی و پیری	مقام اقبالؒ	ضبطِ ولادت (خاندانی منصوبہ بندی)
اقبال کا مردِ مومن	مقام محمدی ﷺ	علماء کون ہیں؟
اندھے کی لکڑی	مرزائیت اور طلوع اسلام	فرقے کیسے مٹ سکتے ہیں
آرٹ اور اسلام	ماؤزے تنگ اور قرآن	کافرگری
قرآن کا معاشی نظام	مومن کی زندگی	حرام کی کمائی
قرآن کا سیاسی نظام	جہاں مارکس ناکام رہ گیا	عالمگیر افسانے





پروفیسر ڈاکٹر زاہدہ درانی طلوعِ اسلام کنونشن 2017ء میں خطاب کرتے ہوئے

PUBLISHED SINCE 1938 AT THE BEHEST OF ALLAMA IQBAL[R] AND QUAID-E-AZAM[R]

CPL.NO. 28
VOL.78
ISSUE
05

Monthly

TOLU-E-ISLAM

25-B, Gulberg 2, Lahore, Pakistan
Phone. 042-35714546
E-mail:idarati@gmail.com Web: www.toluislam.org
www.facebook.com/idaratolueislam1/ www.youtube.com/idaratolueislam

